منظور شدہ محکمہ تعلیم ـــــ بمطابق فہرست نمبر ۱ سنہ ۱۹۶۵ء

عباس محمود العقاد
مولانا جلال الدین سیوطیؒ

ترتیب

عبّاس محمود العقاد

مولانا جلال الدین سیوطیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار اُن معدودے چند مایہ ناز خواتین میں ہوتا ہے جن کا ذکر کئے بغیر اسلام کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھیں۔ تقویٰ اور طہارت کا بلند مقام انہیں حاصل تھا علم و فضل اور تفقہ و اجتہاد میں ان کا ثانی نہ تھا۔ علوم دینیہ پر انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔ اور اور رسول صلعم کی حیاتِ طیبہ کا انہوں نے بنظر غائر مطالعہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کتب سیر، احادیث اور تاریخ صحابہ میں جس کثرت سے حضرت عائشہ رض کا ذکر آتا ہے اور کسی خاتون کا نہیں آتا۔

عباس محمود العقاد مؤلف کتاب ہذا نے حضرت عائشہ رض کی یہ سیرت عام مروجہ طریق سے ہٹ کر شخصیت نگاری کے جدید اسلوب کے مطابق تحریر کی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے محض آپ کی زندگی کے جملہ واقعات بیان کر دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ نفسیاتی اور تاریخی لحاظ سے ان واقعات کا مکمل جائزہ لیا ہے اور ان کے پس منظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کی ایک اور بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضرت عائشہ رض کے دینی اور علمی مرتبے کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ایک "مثالی عورت" کی حیثیت میں

بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت عائشہ رض کی یہ سوانح عمری منفردانہ اور امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔

کتاب کے آخر میں مولانا جلال الدین سیوطی کے ایک قیمتی رسالے عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشہ علی الصحابۃ کا ترجمہ بھی بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہے۔ اصل عربی رسالہ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کی کتاب "سیرتِ عائشہ" کے آخر میں درج ہے۔ اور اس سے قبل کتابی صورت میں حیدر آباد دکن سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس مختصر لیکن جامع رسالے میں ان علمی اور فقہی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جن میں حضرت عائشہ رض نے دیگر صحابہ رض سے اختلاف کیا ہے اور ساتھ ہی اختلاف کی وجوہ بھی بیان کی ہیں۔ اسے پڑھنے کے بعد ام المومنین کی حیرت انگیز مجتہدانہ بصیرت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

الحاد اور بے دینی کے موجودہ دور میں مسلمان عوام کو اپنے اسلاف کے کارناموں سے روشناس کرانے کی بیحد ضرورت ہے تاکہ وہ ان کے نقش قدم پر چل کر مذہب کی اصل روح کو اپنا سکیں۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب بھی اس مقصد کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہو اور ہماری خواتین حضرت عائشہ رض کے نقش قدم پر چل کر علمی، ادبی، اخلاقی اور مذہبی میدانوں میں ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں، آمین!

محمد احمد پانی پتی

۱۹ر جون ۱۹۱۷ء
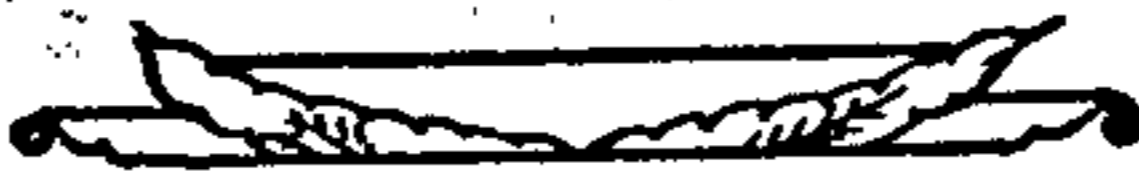
عورت، عربوں کی نظر میں

عورت کے متعلق اہل عرب کے احساسات اور نظریات بہت سادہ اور طبعی تھے
اسلام سے قبل وہ کسی شریعت کے پیرو اور کسی ضابطہ اخلاق کے پابند نہ تھے۔ بدلتے
ہوئے حالات اور وقتی ضرورتوں کے مطابق ان کے نظریات بھی تبدیل ہوتے رہتے
تھے۔ عورت کے متعلق مختلف مذاہب اور متمدن قبائل نے علیحدہ علیحدہ نظریات
اور قوانین بنائے ہوئے تھے جن کی انہیں بہرحال پابندی کرنی پڑتی تھی۔ لیکن عرب
نہ کسی قاعدے اور قانون کے پابند تھے اور نہ اپنے نظریات کو دوسری قوموں کے
نظریات کے سانچے میں ڈھال سکتے تھے۔

قرونِ اولیٰ میں عورت بدی کا مجسمہ سمجھی جاتی تھی۔ اکثر مذاہب کا خیال تھا کہ یہ
عورت ہی تھی جس نے انسان کے جد امجد حضرت آدم کو جنت الفردوس سے نکلوا کر
تمام بنی نوع انسان کو مصائب، آفات اور مشکلات کی ایک ایسی دلدل میں پھنسا
دیا ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنا ان کے لئے ناممکن ہو چکا ہے۔ عورت کو صرف بدی
کا نہیں بلکہ ناپاکی کا مجسمہ بھی خیال کیا جاتا تھا کیونکہ لوگوں کا خیال تھا کہ لوگوں میں
شہوانی جذبات ابھارنے اور بھڑکانے والی ذات صرف عورت کی ہے اور انسان

سے جو شیطانی حرکات سرزد ہوتی ہیں، ان کی ساری ذمہ داری عورت پر پڑتی ہے۔

لیکن عرب اس نقطۂ نظر سے بالکل ناآشنا تھے اور انہوں نے کبھی غیر قوموں کی تقلید میں عورت کو ناپاکی اور بدی کا مجسمہ ٹھہرانے اور محض اس بنا پر اس سے تحقیر آمیز سلوک کرنے کی کوشش نہیں کی۔

رومیوں کی طرح عربوں نے عورت کے متعلق کوئی مخصوص اجتماعی پالیسی وضع نہیں کی۔ رومی ایک وسیع و عریض مملکت کے مالک اور حاکم تھے اور ان کے لئے مملکت کے باشندوں اور ان کے مختلف طبقات کے حقوق و واجبات کا تعین کرنا ضروری تھا چنانچہ بنیادی حقوق وضع کرتے وقت انہوں نے عورت کو ان لوگوں کے زمرے میں رکھا جو ہر طرح کمزور اور دوسروں کی مدد کے ہر وقت محتاج ہوتے ہیں۔ انہیں عورت کی ذات سے کوئی کد نہ تھی لیکن اس کی خلقی کمزوری اس کے لئے وبالِ جان بن گئی اور کمزوروں ضعیفوں اور محتاجوں کے ساتھ جو سلوک ممکن ہو سکتا ہے وہی عورت سے کیا گیا۔

لیکن عرب اس تہذیب و تمدن سے بالکل ناآشنا تھے جو ان کے ہمسایہ ممالک میں رائج تھی اور جس میں باشندوں کو کئی طبقات میں تقسیم کرکے ان کے ساتھ الگ الگ سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کی طبیعت بدویانہ تھی اور وہ ملکی قوانین کی بجائے اپنے نفس کی خواہشات کے پابند تھے۔ اور نفسانی خواہشات حالات کے مطابق مختلف رنگ بدلتی رہتی تھیں۔ کبھی تو وہ عورت سے لونڈیوں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔ اور کبھی اس قدر تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے کہ بیٹے کی نسبت باپ سے کرنے کی بجائے ماں سے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ادب اور تاریخ کی کتابوں میں متعدد نام ہمیں ایسے نظر آتے ہیں جن کی نسبت ان کے باپوں کی بجائے ماؤں سے کی گئی ہے۔

تاریخ عرب میں ہمیں ایسے واقعات بھی نظر آتے ہیں کہ کسی شخص نے محض عورت

کی عزت بچانے کی خاطر اپنے دشمنوں سے ایسا خوفناک انتقام لیا کہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں چنانچہ بنو بکر اور بنو تغلب کی باہمی لڑائی اس کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔ یہ جنگ جو ۴۰ برس تک جاری رہی محض اس وجہ سے شروع ہوئی کہ بنو بکر کی ایک عورت بسوس کے ہاں ایک مہمان آکر ٹھہرا۔ بنو تغلب کے ایک سردار کلیب نے کسی وجہ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں یہ دیکھ کر بسوس کے بھانجے کو بیحد طیش آیا اور اس نے بسوس کے سامنے قسم کھائی کہ میں اس شخص کو، جس نے تمہارے مہمان کی اونٹنی کو زخمی کیا ہے، قتل کئے بغیر نہ رہوں گا۔ چنانچہ اس نے اپنی قسم پوری کی اور کلیب کو اپنی خالہ کے مہمان کی اونٹنی کو زخمی کرنے یا بالفاظ دیگر اپنی خالہ کی عزت و ناموس پر حملہ کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ یہ عرب ہی تھے جو اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر یا حد درجہ غربت کے باعث اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور یہ ظالمانہ رسم اس وقت تک جاری رہی جب تک اسلام نے آکر اس کا بکلی خاتمہ نہ کر دیا[1]

---

[1] عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی مشہور مثال قیس بن عاصم کی ہے۔ یہ شخص بنو تمیم کا سردار تھا۔ کسی جنگ کے دوران میں اس کے دشمن اس کی بیٹی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ قیس نے اسے چھڑانے کی کوشش کی لیکن بیٹی نے واپس آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اس نے قسم کھائی کہ اس کے ہاں جو بیٹی پیدا ہو گی وہ اسے زندہ درگور کر دے گا۔ چنانچہ ایک مشہور شاعر بحتری اپنی ایک نظم میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ابتکتی من لا ینازل بالسیف مشیحا و لا یضر اللراع و لعمرے

ان واقعات کو دیکھ کر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب متضاد طبیعتوں کے مالک تھے۔ ایک طرف وہ عورت کی عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر اپنے دشمنوں سے

بقیہ حاشیہ بالعجز عندی الا - ان تبیت الرجال تبکی النساء لم یئد کذھن قیس تمیم۔ عیلة بل حمیة وایار۔

(ترجمہ) کیا تو اس شخص پر رو رہا ہے جس نے نہ کبھی تلوار چلائی اور نہ کبھی نیزہ ہاتھ میں پکڑا۔ اس سے زیادہ عجز اور کمزوری کی علامت کیا ہوگی کہ مرد عورتوں پر روئیں۔ بنو تمیم کے سردار قیس بن عاصم نے اپنی بیٹیوں کو فاقہ کشی اور غربت کے سبب زندہ درگور نہیں کیا بلکہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر ایسا کیا۔

جہاں عربوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو اپنی عزت و ناموس کی خاطر بیٹیوں کو زندہ درگور کیا کرتے تھے وہاں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو فاقہ کشی، غربت اور عیالداری کے باعث بیٹیوں کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ صعصعہ بن ناجیہ نوزائیدہ بچیوں کو ان کے والدین سے خرید لیا کرتا تھا اور خود ان کی پرورش کرتا تھا۔ لڑکیوں کے ماں باپ بڑی خوشی سے انھیں صعصعہ کے ہاتھ بیچ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ اس نے اس طرح ۲۸۰ لڑکیوں کو خرید کر ان کی جانیں بچائیں۔ اگر عرب محض عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر لڑکیوں کو قتل کیا کرتے تھے تو وہ کبھی انہیں صعصعہ کے پاس نہ بیچتے کیونکہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے والوں کے نزدیک اس سے زیادہ اور کیا بات عار کا موجب ہوگی کہ وہ اپنی لڑکی کو دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیں۔

قرآن کریم بھی اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ عرب اپنی لڑکیوں کو مفلسی کے باعث بھی قتل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ ولا تقتلوا اولادکم من خشیة املاق (تم اپنی اولاد کو غربت کے ڈر کے سبب قتل نہ کرو)

خوفناک انتقام لینے سے بھی باز نہ رہتے تھے اور دوسری طرف عورتوں سے ان کی نفرت کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے لیکن حالات کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ان کی طبائع میں تضاد نہ تھا بلکہ ملک کے مخصوص معاشی حالات کے باعث وہ ایسا کرنے کے لئے مجبور تھے۔

جزیرہ نمائے عرب دراصل ایک عظیم صحرا ہے جہاں سینکڑوں میل تک روئیدگی اور پانی کا نشان نہیں ملتا۔ عرب قبائل جہاں کہیں کوئی چشمہ او نخلستان دیکھتے، وہاں ڈیرہ لگا لیتے۔ چونکہ چشمے بہت کم تھے اور آبادی زیادہ تھی۔ اس لئے ہر قبیلہ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ دوسرے قبیلے پر حملہ کر کے چشمہ پر خود قبضہ کر لے۔ لیکن چشمے پر قابض قبیلہ بھی آسانی سے اپنی شکست ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا جگہ چھوڑنے کا مطلب اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر قبیلے میں قومی غیرت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی اور وہ اپنی اور اپنی عورتوں کی عزت و ناموس کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز خیال کرتے تھے۔ انہیں بجا طور پر خیال رہتا تھا کہ اگر آج ہم اپنی اور اپنی عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے تو کل اپنے قبیلے کی حفاظت کرنے میں بھی ناکام رہیں گے اور ہمارے دشمن ہمیں تپتے ہوئے صحراؤں میں دھکیل کر ہماری ہلاکت کو نزدیک تر لے آئیں گے۔

جہاں ہر دم عزت و ناموس کی حفاظت پر کمربستہ رہنے کا سبب تنگی رزق تھا وہاں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا بڑا سبب بھی یہی تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر دشمنوں نے ہم پر حملہ کیا تو ہو سکتا ہے ہم اپنی عورتوں کی عصمت اور ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں اور وہ دشمنوں کے ہاتھ آ جائیں۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کا بہترین ذریعہ انہوں نے یہی سوچا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جائے تاکہ آئندہ ان کی عزت و ناموس پر کوئی

حرف نہ آسکے۔

عربوں کو حصول رزق کے سلسلے میں جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ ان کی عورتیں عضو معطل رہنے کی بجائے قبیلہ اور خاندان کے لئے کارآمد وجود ثابت ہونے لگیں۔ وہ جنگل میں جا کر اونٹ اور بکریاں چراتیں، جانوروں کا دودھ دہتیں اُون کاتتیں، خیمے بناتیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، حتیٰ کہ حمل اور ولادت کے وقت اپنا علاج بھی خود ہی کر لیا کرتی تھیں۔ ان امور میں انہیں اتنی مہارت حاصل ہو گئی تھی کہ آجکل کی بہت سی متمدن اور تہذیب یافتہ اقوام کی عورتیں بھی ان کے سامنے ہیچ نظر آتی ہیں۔ اس جفاکشی کے باعث نہ صرف ان کی اپنی صحتیں اچھی رہتی تھیں بلکہ اولاد بھی زیادہ صحت مند اور خوبصورت پیدا ہوتی تھی۔ یہی صحت مند اولاد بڑی ہو کر قبیلہ کے لئے عزت و افتخار کا موجب اور اس کی ناموری کا باعث ہوتی تھی۔

اگرچہ بدوی قبائل میں عورتوں کے ساتھ وہی سلوک ہوتا تھا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، تاہم مہذب اور شہری خاندانوں اور سرداران قبائل میں بالعموم عورت کے جذبات کا خیال رکھا جاتا تھا اور وہ لوگ ان سے اسی عزت و احترام اور محبت و شفقت سے پیش آتے تھے جس کی عورت درحقیقت مستحق ہے۔

تہذیب و تمدن کی روشنی میں عقلیں صیقل ہو جاتی ہیں۔ طبیعتوں سے ہیجان کی کیفیت دور ہو کر سکون پیدا ہو جاتا ہے اور باہمی میل ملاپ اور الفت و محبت کے جذبات ابھر آتے ہیں۔ ان خصوصیات اور خصائل کا اظہار خانگی زندگی سے شروع ہوتا ہے کیونکہ مرد اور عورت کے باہمی تعلقات ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان میں عقل و شعور کس حد تک موجود ہے۔

مہذب اور متمدن لوگوں کی طرح سرداران قبائل اس امر کا خاص خیال رکھتے ہیں

کہ وہ اپنی لڑکیوں کے لئے ایسے بر تلاش کریں جو عزت و وجاہت کے لحاظ سے بلند حیثیت کے مالک ہوں۔ سفلہ طبع اور کم درجے کے نوجوانوں کو کوئی سردار اپنا داماد بنانا پسند نہیں کرتا تھا۔ اسی وجہ سے عرب کے سرداران قبائل اپنی بیٹیوں کے بر کا انتخاب خود ہی کرتے تھے اور اس انتخاب میں بیٹیوں کو بھی ضرور شریک کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص حارث بن عوف مرّی قبیلہ طے کے سردار اوس بن حارثہ طائی کے پاس اپنا پیغام لایا، اوس اپنی بیوی کے پاس آیا اور سب سے پہلے اپنی بڑی بیٹی کو بلایا اور کہا، "اے بیٹی! حارث بن عوف، جو عرب کا بہت بڑا سردار ہے، میرے پاس اپنا پیغام لے کر آیا ہے، میں چاہتا ہوں تمھاری شادی اس سے کر دوں، تمہاری کیا رائے ہے؟" بیٹی نے جواب دیا۔ "مجھے تو یہ رشتہ پسند نہیں"۔ باپ نے پوچھا۔ کیوں؟ اس نے کہا۔ "میری شکل وصورت بھی اچھی نہیں، اور طبیعت میں بھی تیزی ہے۔ وہ میرا برادر عم زاد تو ہے نہیں کہ رشتہ داری کا خیال کرے گا اور نہ آپ کا پڑوسی ہے کہ اسے آپ کا کچھ لحاظ ہوگا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے کبھی میری کوئی بات بُری لگی تو آؤ دیکھے گا نہ تاؤ، جھٹ مجھے طلاق دیدے گا۔ اور اس کی ساری ذمہ داری مجھ پر اور آپ پر ہوگی۔

یہ سن کر اس نے اُسے واپس بھیج دیا اور منجھلی لڑکی کو بلا کر اس کی رائے دریافت کی۔ لڑکی نے جواب دیا۔ "مجھے کوئی ہنر اور سلیقہ نہیں آتا اور وہ مجھ سے جب بھی ناراض ہوگا، طلاق دے دے گا۔

اب اس نے اپنی چھوٹی لڑکی بہیسہ کو بلایا اور وہی بات اس سے بھی کہی۔ اس نے کہا: "اباجان! آپ بیشک میری شادی اس سے کرا دیجئے۔ میں خوبصورت ہوں، امور خانہ داری سے باخبر ہوں، بلند اخلاق کی مالک ہوں اور حسب نسب کے لحاظ سے بھی کسی سے کم تر نہیں ہوں۔ اگر وہ مجھے طلاق دے گا تو اپنا ہی نقصان

کرے گا۔

چنانچہ اس نے اپنی اس لڑکی کا نکاح حارث سے کر دیا اور وہ اپنی دلہن کو لے کر اپنے قبیلے کی جانب روانہ ہوگیا۔ اس زمانے میں قبیلہ عبس اور ذبیان میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ گھر پہنچ کر بہیسہ نے حارث سے کہا کہ جب تک تم دونوں قبیلوں کے درمیان صلح نہ کرا دو گے اس وقت تک تمھیں حجلہ عروسی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، چنانچہ حارث کو اپنی بیوی کا یہ مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ اور بہیسہ کی عقل مندی سے دونوں قبیلوں کے درمیان صلح ہوگئی اور یہ دونوں قبائل ایک بڑی خون ریزی سے بچ گئے۔

ابوسفیان کی بیوی ہندا بنت عقبہ کے متعلق بھی یہ روایت مشہور ہے کہ اسے قریش کے دو بڑے سرداروں نے پیغام دیا تھا۔ اس نے اپنے والد سے ان کے حالات دریافت کئے، والد نے کہا۔ پہلا آدمی مالدار ہے۔ اگر تم اس سے اچھی طرح پیش آؤ گی اور زوجیت کے فرائض عمدگی سے ادا کرو گی تو وہ بھی تمھیں اچھی طرح رکھے گا۔ لیکن اگر تمہارا سلوک اس سے نامناسب ہوگا تو وہ بھی تم سے بُری طرح پیش آئے گا۔ دوسرا شخص اعلیٰ حسب و نسب کا مالک ہے، عقل مند ہے، قومی غیرت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور اپنے گھر والوں سے اس کا سلوک بہت اچھا ہے۔

ہندا نے کہا: "دوسرا شخص میرے معیار پر پورا اترتا ہے اور چونکہ میں خود بھی انہی صفات سے متصف ہوں، اس لئے میری شادی اسی سے کر دیجئے۔"

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی سے قبل اپنی بیٹیوں سے مشورہ کر لینا ساداتِ عرب کا خاصا تھا اور شاذ ہی کوئی سردار اس امر کو نظر انداز کرتے ہوئے بطور خود اپنی بیٹی کی شادی کرتا تھا۔

کسی قوم کی مخصوص عادات و خصائل سے بالعموم اس کے ہر فرد کو حصہ ملتا ہے۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ البتہ قوم کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں یہ خصائل بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ خصائل صرف ان ہی لوگوں سے مخصوص ہیں، دوسرے لوگوں پر محض ان کا پرتو پڑا ہے۔

بنو تیم کا شمار عرب کے معزز ترین قبائل میں ہوتا تھا اور تمام وہ خصائل جن سے عرب متصف تھے، بنو تیم میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ تہذیب و شائستگی، بہادری اور شجاعت، نجابت اور شرافت غرضیکہ کوئی خصلت ایسی نہ تھی جس میں اس قبیلہ کا قدم دوسرے قبائل سے بڑھ چڑھ کر نہ ہو۔

اس قبیلے کا سب سے معزز گھرانا ابوبکر کا تھا۔ قبیلے کی سیادت اسی خاندان کے افراد کے ہاتھ میں تھی اور شرف و عزت کے اعتبار سے یہ خاندان قریش کے چوٹی کے خاندانوں میں سے تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ تمام وہ خوبیاں جو عربوں میں پائی جاتی تھیں، اس خاندان میں بدرجہ اتم پائی جائیں اور حقیقت بھی یہی تھی۔

جہاں یہ گھرانا حد درجہ رحم دل، نرم خو اور رقیق القلب تھا وہاں اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے محبت اور الفت کرنے میں بھی اپنا جواب نہ رکھتا تھا چنانچہ "کتاب الامالی" میں لکھا ہے کہ خاندان ابوبکر کی عورتوں کے متعلق عرب میں مشہور تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ نصیبہ ور ہیں کیونکہ جس طرح ان کے شوہر انھیں آرام سے رکھتے ہیں اور کوئی گھرانا نہیں رکھتا۔

حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹوں میں سے شاید ہی کوئی ہوگا جس کے متعلق ادب کی کتابوں میں اپنی بیوی سے غایت درجہ محبت کے واقعات مذکور نہ ہوں۔

آپ کا سب سے بڑا لڑکا عبداللہ تھا۔ اس کی شادی عاتکہ بنت زید عدویہ سے ہوئی تھی۔ اسے اپنی بیوی سے اتنی محبت تھی کہ اس کے پیچھے اس نے دنیا کے

تمام دھندے ترک کر دیئے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اسے بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا۔ عبداللہ نے مجبوراً طلاق تو دے دی لیکن اس کے دل کو کسی طرح قرار نہ آسکا۔ بیوی کے فراق میں وہ ہر وقت دردناک اشعار پڑھتا رہتا تھا چنانچہ کہتا ہے۔

"اے عاتکہ! میں اس وقت تک تجھے نہ بھول سکوں گا جب تک آسمان پر سورج اور چاند چمکتے رہیں گے۔ اے عاتکہ! میرا دل دن رات تیری فرقت کی وجہ سے بیتاب رہتا ہے اور میں ہر وقت تیری یاد میں مصروف رہتا ہوں۔ اس جیسا تاریک دن میں نے اور کوئی نہ دیکھا جب میں نے تجھے طلاق دی تھی۔ کاش مجھ سے دنیا کی تمام چیزیں چھوٹ جاتیں مگر تیرا ساتھ نہ چھوٹتا۔ یہ جدائی ہر چیز کی جدائی سے زیادہ دردناک ہے۔"

عبداللہ کے بھائی عبدالرحمٰن کو حضرت عمر بن خطاب نے ایک لونڈی لیلیٰ بنت جودی مرحمت فرمائی تھی جو بیحد خوبصورت تھی۔ عبداللہ کی طرح عبدالرحمٰن کو بھی اس سے انتہائی شیفتگی اور الفت تھی۔ اور وہ اس کا ساتھ چھوڑنا کسی طرح گوارا نہ کرتے تھے۔ ان کی اس حد درجہ شیفتگی کو دیکھ کر ان کی بہن حضرت عائشہ رضؓ نے انہیں ایک مرتبہ ملامت بھی کی تھی۔

بنو تمیم میں عورت کے ساتھ جو حسنِ سلوک ہوتا تھا اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ عرب کے معزز اور صاحبِ سیادت قبائل میں عورت کو کس نظر سے دیکھا جاتا تھا اس قبیلہ میں عورت کا مرتبہ چونکہ بہت بلند تھا اس لئے اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کو بھی بیحد خیال رکھا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اس معاملے میں سب سے زیادہ غیرت مند تھے۔ چنانچہ ابن سیرین کہتے ہیں کہ امت میں رسول صلعم کے بعد

سب سے زیادہ غیرت مند شخص ابوبکرؓ تھے۔ عبداللہ عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کی غیر حاضری میں چند اشخاص کسی ضرورت سے ان کی بیوی اسماء بنت عمیس کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکرؓ کو یہ بات ناگوار گزری اور انھوں نے رسول اللہ صلعم سے شکایت کی جس پر حضورؐ نے لوگوں کو مردوں کی غیر حاضری میں غیر گھروں میں جانے کی ممانعت کر دی۔

بنو تمیم کی ایک عورت عائشہ بنت طلحہ کے متعلق عمر ابن ربعیہ نے چند اشعار کہے۔ اس پر قبیلہ والوں نے اسے دھمکی دی کہ اگر آج کے بعد اس نے اس قسم کے اشعار پڑھے تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے قسم کھائی کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔

بنو تمیم کے اسی گھرانے میں وہ جلیل القدر خاتون بھی پیدا ہوئی جس نے نہ صرف اپنے خاندان اور قبیلہ کا نام روشن کیا بلکہ اہل دنیا کی نظروں میں اپنی صنف کا رتبہ بھی بلند کر دیا اور یہ خاتون وہی ہے جو اس کتاب کا موضوع ہے یعنی ۔

حضرت عائشہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اسلام اور صنفِ نازک

اسلام نے آکر اخلاق اور تہذیب و تمدن کا وہ اعلیٰ معیار قائم کیا جو آج تک اقوامِ عالم کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ عورت کے ساتھ حسنِ سلوک اور مروّت ہی کی مثال سامنے رکھ لیجئے۔ زمانہ جاہلیت میں بالعموم عورت کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ تھی۔ بدوی قبائل تو عورت کی کوئی حیثیت ہی نہیں سمجھتے تھے۔ البتہ معزز شہری گھرانوں میں اسے کچھ مرتبہ حاصل تھا۔ لیکن اسلام نے آکر اسے ہر قسم کے حقوق سے نوازا اور ان حقوق کو صرف اونچے گھرانوں کی عورتوں سے مخصوص نہیں کیا بلکہ ہر طبقے کی مستورات کے لئے عام کر دیا ان حقوق و مراعات کی بدولت ایک عام مسلمان عورت کا مرتبہ جاہلیت کے معزز ترین قبیلے کی عورت سے بھی بلند ہو گیا۔ اسلام عورت کو حقیر مخلوق نہیں سمجھتا۔ وہ اس کے احساسات اور جذبات کو ٹھیس پہنچانے اور دبانے کا روادار نہیں۔ اس کے برعکس اس کے حقوق قائم کر کے اس کی خودی کو بلند کر دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف والرجال علیھن درجۃ۔ (جس طرح عورتوں کے ذمہ مردوں کے کچھ حقوق واجب ہوتے ہیں اسی طرح مردوں کے ذمہ عورتوں کے کچھ حقوق ہیں) چونکہ مردوں کو روزی کمانے کے لئے سخت جدوجہد کرنی

پڑتی ہے اس لئے مردوں کو عورتوں پر یک گونہ فضیلت ضرور حاصل ہے۔
اسلام سے قبل عورت کو بھیڑ بکریوں کی مانند سمجھا جاتا تھا۔ انھیں اپنے اوپر کوئی اختیار نہ تھا۔ مرد جس طرح چاہتے ان سے سلوک کرتے تھے، لیکن اسلام نے آکر اس صورتِ حال کو یکسر بدل دیا۔ نکاح کے معاملات میں اس نے یہ لازمی قرار دیا کہ جب تک عورت کی ۔۔ خواہ اس کی تعلق کسی امیر کبیر گھرانے سے ہو یا غریب گھرانے سے ۔ رضامندی حاصل نہ کرلی جائے، اسوقت تک اس کا نکاح نہ کیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں ۔

" بیوہ عورت کا نکاح ثانی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے مشورہ نہ کرلیا جائے۔ اور کنواری عورت اس وقت تک کسی کے عقد میں نہ دی جائے جب تک اس کی رضامندی حاصل نہ کرلی جائے۔

اسلام نے عورت کو خرید و فروخت اور ملکیت کے بارے میں بھی کامل اختیار دیا ہے۔ عرب کے رواج کے بالکل برعکس وراثت میں اسے شریک ٹھہرایا ہے۔ جاہلیت میں تو عورت کو بھی گھوڑوں اور مال و اسباب کی طرح ترکہ میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے آکر اس ظالمانہ طریقے کو قطعاً ممنوع قرار دے دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یا یھا الذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا

اے ایمان والے لوگو! تمھارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم عورتوں کی مرضی کے خلاف انھیں مال وراثت سمجھ کر اپنے قبضہ میں کرو۔

اسلام نے عورتوں کے لئے یہ بھی لازم قرار دیا کہ مردوں کی طرح وہ بھی بعیت کیا کریں۔ ان کے والدین، خاوندوں یا سرپرستوں کی بعیت ان کے لئے کافی نہیں ہے چنانچہ اس کی نص سورۃ ممتحنہ کی ان آیات میں موجود ہے۔

یا یھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک علیٰ ان لا

یشرکن باللہ شیئاً ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن و ارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفرلھن اللہ۔ ان اللہ غفور رحیم ہ

(ترجمہ) اے نبی! اگر تمہارے پاس عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گی۔ چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، بہتان طرازی سے کام نہ لیں گی اور نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو تم ان سے بیعت لے لو اور اللہ تعالےٰ سے ان کے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ اللہ تعالےٰ گناہوں کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اسلام جہاں عورت کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور اس سے مروّت کے ساتھ پیش آنے پر زور دیتا ہے، وہاں اس سے شفقت، محبت اور پیار کا سلوک کرنے کی تلقین بھی کرتا ہے۔ عرب میں اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تھی تو سارے گھر کو سانپ سونگھ جاتا تھا اور ہر ایک شخص کے چہرے سے اداسی ٹپکنے لگتی تھی لیکن اسلام مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ لڑکی کے پیدا ہونے پر رنج والم اور غم وغصہ کا اظہار نہ کریں۔ بلکہ اسی طرح خوشی منائیں جس طرح لڑکے کے پیدا ہونے پر مناتے ہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کی مذمت میں، جو لڑکی کی پیدائش پر غم وغصہ کا اظہار کرتے تھے فرماتا ہے۔

واذا بشر احدھم بالانثٰی ظل وجھہ مسودا وھو کظیم، یتواری من القوم من سوء ما بشر بہ ایمسکہ علی ھون ام یدسہ فی التراب۔ الاساء ما یحکمون۔

ترجمہ: جب ان میں سے کسی شخص کو لڑکی پیدا ہونے کی خوشخبری دیجاتی

ہے تو رنج کے باعث اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ وہ بیٹی کی پیدائش
کو عار خیال کرتے ہوئے لوگوں سے اپنا منہ چھپا لیتا ہے اور سوچتا ہے
کہ آیا اس ذلت کو برداشت کرے یا اسے زندہ در گور کر آئے۔ دیکھو
تو وہ کیا ہی بری رائے قائم کرتا ہے۔

بعض اوقات مرد کا دل اپنی بیوی سے پھر جاتا ہے اور وہ اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ لیکن قرآنی تعلیم یہ ہے کہ مرد نفرت اور کراہیت کو محبت پر غالب نہ آنے دے اور اس سے حسب دستور سابق نیک سلوک کرتا رہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اسی میں اس کے لئے بھلائی مضمر ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً
ولیجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔

(ترجمہ) اپنی بیویوں سے نیک سلوک کرو۔ اگر کسی وجہ سے تمھاری
طبیعت ان سے برگشتہ ہونے لگے تو نفرت کے اس جذبے کو ختم
کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے تم کسی چیز سے نفرت کرتے
ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں تمھارے لئے بھلائی مقدر کی ہو۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے احکام کی تعمیل میں صحابہ کو عورتوں سے عدل و انصاف سے پیش آنے اور ان سے نرمی اور شفقت کا سلوک کرنے کی برابر تلقین کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں۔

"تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو عورتوں سے نیک سلوک کرتا ہے"۔

اور

"جو شخص عورتوں سے برائی سے پیش آتا ہے اور ان کی توہین و تذلیل
کے درپے رہتا ہے، وہ کمینہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عورتوں سے حسنِ سلوک کی جتنی تاکید فرمائی تھی اس کا اندازہ حضورؐ کی اس حدیث سے ہوسکتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ :

"جبریل نے مجھے عورتوں کے بارے میں اتنی شدت سے احکام دیئے کہ میں نے خیال کیا کہ کہیں وہ طلاق کی حرمت ہی کا حکم نہ لے آئیں!"

عرب کے اونچے گھرانوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا۔ ان کے مرد تعلیم کو اپنے لئے عار سمجھتے تھے۔ عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے لیکن اسلام نے آکر جہاں مردوں کے لئے تعلیم کو لازمی قرار دیا وہاں عورتوں کے لئے بھی اسے ضروری قرار دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ۔

"علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ اسلام اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ لونڈیوں کو بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتا ہے"

چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

جس شخص کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے اچھی طرح علم سکھائے اور اس کی تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے، پھر اسے آزاد کر کے اس کی شادی کر دے تو اس کے لئے دوہرا ثواب ہے۔

یہ ہے وہ قدر و منزلت، جسے عورت نے اسلامی شریعت کے تحت حاصل کیا۔ اور یہ ہے وہ اسلامی تعلیم جس پر عمل کرنا تمام مسلمانوں کے لئے لازمی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اونچے گھرانوں کی عورتوں کو حقوق حاصل تھے۔ اسلام نے آکر ادنیٰ سے ادنیٰ عورت کو ان سے بہت زیادہ حقوق عطا فرما دیئے اور ان کا درجہ اس قدر بلند کیا جس کا انھیں وہم و گمان بھی نہ ہوسکتا تھا۔ آج ہر سُو حقوقِ نسواں کا

چرچا ہے اور عورت کو ہر شعبۂ حیات میں مردوں کے مساوی حقوق دینے کی مہم زور شور سے جاری ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام نے ایسے وقت میں جبکہ عورت حقیقتاً غلامی کی زندگی بسر کر رہی تھی اسے زبردست حقوق و مراعات سے نوازا اور بنی نوع انسان میں طبقۂ نسواں کا درجہ بلند کر دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مسلمان عورتوں کے بارے میں اسلامی تعلیم پر لفظ بہ لفظ عمل کریں تو عورتوں کو ان حقوق سے بہت زیادہ حقوق مل جائیں جن کا وہ آج اپنے لئے مطالبہ کر رہی ہیں۔

اسلامی تعلیم محض خوبصورت الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ بانیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہو بہو عمل کر کے ثابت کر دیا کہ یہ تعلیم کتنی بابرکت اور فیض رساں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے ساتھ حسنِ سلوک کو ایمان اور اخلاق کا معیار قرار دیا تھا اور بار بار فرمایا تھا۔

"تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ نیکی سے پیش آئے اور میں اپنے اہل وعیال سے ہمیشہ نیکی سے پیش آتا ہوں"

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم جس وقت گھر میں تشریف فرما ہوتے تو کام کاج میں اپنے اہل وعیال کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ البتہ جب نماز کا وقت آتا تو گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لے جاتے۔ گھریلو امور میں بیویوں کا ہاتھ بٹانا آپؐ کا محبوب مشغلہ تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ بیویوں کا ہاتھ بٹانا بھی صدقہ میں شمار ہوتا ہے۔ آپ روزانہ صبح و شام اپنی بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے اور نہایت بشاشت کے ساتھ ان سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :-

"جب آپؐ اپنی بیویوں سے ملتے تو آپؐ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی

ہوتی تھی اور آپؐ ان سے نہایت محبت آمیز گفتگو فرمایا کرتے تھے۔"

کسی شخص کے متعلق یہ کہنا یقیناً مبالغہ میں داخل ہوگا کہ وہ فلاں شخص پر اسکے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ بات بالکل صادق آتی ہے۔ آپ اپنی بیویوں پر ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان تھے حتےٰ کہ ان کے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق تھے جو اپنی نرم دلی میں مشہور خلائق تھے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔

حدیث میں حضرت عائشہ رضؓ سے ایک روایت مروی ہے جس میں وہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات کے متعلق مجھ میں اور رسول اللہ صلعم میں بحث ہونے لگی حضورؐ نے فرمایا " یوں فیصلہ نہیں ہوگا کسی کو ثالث مقرر کرلو۔ کہو ابوعبیدہ بن جراح کو ثالث مقرر کرنے پر رضامند ہو"؟ میں نے کہا " نہیں وہ بہت سادہ مزاج انسان ہیں ضرور آپؐ کی طرفداری کریں گے۔" حضورؐ نے فرمایا " اچھا اپنے والد کو ثالث مقرر کرلو" میں راضی ہوگئی۔ اور حضورؐ نے ابوبکر رضؓ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے۔ حضورؐ نے مجھ سے کہا " تم بات بیان کرو۔" میں نے کہا " نہیں آپؐ بیان کریں۔" چنانچہ حضورؐ نے وہ بات جس کے متعلق بحث ہو رہی تھی، ابوبکر رضؓ کے سامنے بیان کی جب حضورؐ بات ختم کرچکے تو میں نے والد سے کہا " آپ بتلایئے کہ ہم دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے"؟ انہوں نے یہ سنتے ہی میرے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا اور کہا " تو رسول اللہ کی بات کی مخالفت کرتی ہے"؟ طمانچہ اس زور سے لگا تھا کہ میری ناک سے خون جاری ہوگیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا " ہمارا مقصد یہ نہ تھا" یہ کہہ کر حضورؐ اپنے ہاتھ سے میرے منہ پر پانی ڈال کر خون پونچھنے لگے۔

اپنی بیویوں سے آپؐ کی محبت حقیقی محبت تھی۔ اس میں ریا اور نمود کا شائبہ تک نہ تھا۔ اپنی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات پر آپؐ کو سخت صدمہ

ہوا اور اس سال کا نام ہی آپؐ نے عام الحزن وغم والا سال رکھ دیا۔ عمر بھر آپؐ ان کی رفاقت کو نہ بھولے اور ہمیشہ رقت آمیز الفاظ میں ان کا ذکر کرتے رہے حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ حضور علیہ السلام خدیجہ رضؓ کا ذکر اس کثرت اور اتنی محبت سے کیا کرتے تھے کہ مجھے آپؐ کی زندہ بیویوں سے زیادہ خدیجہ رضؓ پر رشک آنے لگا۔ آخر ایک دن مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے عرض کیا۔

"یارسولؐ اللہ! آپ بار بار اس بوڑھی عورت کا ذکر کیوں کرتے ہیں؟ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو اس سے اچھی بیویاں عطا فرمائی ہیں۔"

یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا:

عائشہ! یہ بات مت کہو، مجھے خدیجہ رضؓ سے بہتر کوئی بیوی نہیں ملی۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ اس نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے میری تکذیب کی۔ اس نے اس وقت مال و دولت سے میری مدد کی جب لوگوں نے مجھے مال و دولت سے محروم کر دیا اور اللہ تعالےٰ نے صرف اس سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

حضرت عائشہ رضؓ بھی ان خوش قسمت خواتین میں سے ایک تھیں جنھیں رسول اللہ صلعم کی بے پناہ محبت اور شفقت کی نعمت نصیب ہوئی۔ اسی شفقت اور محبت کے نتیجہ میں انھیں وہ مرتبہ حاصل ہوا جس کی گرد کو پہنچنا بھی ناممکن ہے۔ ان کا شمار مسلمانوں کی ان اہم شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کے تذکرے کے بغیر تاریخ اسلام مکمل ہی نہیں ہو سکتی۔

زندۂ جاوید خاتون

"تاریخ اقوامِ عالم کا مطالعہ کرنے سے کئی ایسی جلیل القدر عورتوں کا علم ہوتا ہے جنھوں نے اپنے عظیم کارناموں کی بدولت ناموری کی منازل طے کیں۔ یقیناً ایسی عورتیں اپنے مرتبہ کے لحاظ سے مستحق ہیں کہ تاریخ کے صفحات میں ان کا نام زندہ رکھا جائے۔ لیکن عظیم تر شخصیت اس عورت کی ہوتی ہے جس نے دینی میدان میں محیر العقول کارنامے سرانجام دیئے ہوں، احکامِ شریعت کو لوگوں تک پہنچانے میں مردوں کے دوش بدوش کام کیا ہو اور رسول اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ امت کی عورتوں سے بلند تر ہو۔

حضرت عائشہ رض کا شمار نہ صرف اوّل الذکر عورتوں میں بلکہ مؤخر الذکر طبقہ میں بھی ہوتا ہے اور یہ فضیلت ایسی ہے جو طبقہ اناث میں شاذ و نادر ہی کسی کو حاصل ہو۔
دینی مرتبے سے قطع نظر حضرت عائشہ رض کی ایک اور حیثیت بھی ہے جس کا ذکر کئے بغیر ان کی سیرت پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی اور وہ یہ کہ ان کی شخصیت میں ہمیں ایک ایسی عورت کا پتہ ملتا ہے جس میں نسوانی خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔
حضرت عائشہ رض ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر اہم شخصیت کے تذکرے کے وقت

اس امر کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ اس کا مرتبہ بحیثیت انسان کس قدر بلند ہے۔ اس پہلو پر نظر کئے بغیر اس شخصیت کا تذکرہ ناتمام رہ جائے گا اور قارئین اس کی کتاب زندگی کے ایک اہم باب سے محروم ہو جائیں گے۔ کسی شخص کی عظمت کا اندازہ جب ہی ہو سکتا ہے جب اسے انسانیت کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ اس کسوٹی پر پورا اترنے کے بعد ہی اس کی عظمت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلعم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ نبی ہونے کی حیثیت میں آپ نے عظیم الشان امور سرانجام دیئے لیکن جب حضورؐ کی زندگی کے اس پہلو پر غور کرتے ہیں کہ آپؐ ایک ایسی جلیل القدر شخصیت ہونے کے باوجود، کہ جس کی رفعت شان کا اندازہ لگانا ناممکن ہے، گھریلو معاملات میں اپنے اہل وعیال کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور لاکھوں انسانوں کا محبوب پیشوا ہونے کے باوجود ہاتھ سے کام کرنے میں اپنی ہتک مطلق محسوس نہ کرتے تھے اور آپؐ کی گھریلو زندگی دوسرے عام لوگوں سے قطعاً مختلف نہ تھی تو آپؐ کی عظمت ہماری نظروں میں سینکڑوں گنا بڑھ جاتی ہے۔

یہی حال حضرت عائشہ رضؓ کا ہے۔ دینی لحاظ سے آپ جس بلند مرتبہ کی مالک تھیں، اس کا اندازہ کرنا ہرکہ ومہ کا کام نہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ آپ میں تمام نسوانی صفات بھی پوری طرح جلوہ گر تھیں جن کا اظہار آپ موقعہ بہ موقعہ کرتی رہتی تھیں۔ غیرت وحمیت، ناز وادا، بناؤ سنگھار کا شوق، جذبہ منافرت وغیرت، غرضیکہ جملہ نسوانی خصائل آپ کی ذات میں پوری طرح جمع ہو گئے تھے۔

جذبہ منافرت اور سوتوں کے مقابلے میں غیرت کے بیشتر پہلو حضرت عائشہ رضؓ کی زندگی میں جمع تھے۔ رسول اللہ صلعم کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضؓ تھیں جو حضرت عائشہ رضؓ کے رسول اللہ صلعم کے عقد میں آنے سے کئی سال پیشتر وفات پا چکی

تھیں۔ لیکن رشک کا جو جذبہ حضرت عائشہ رض کے دل میں حضرت خدیجہ رض کی طرف سے پایا جاتا تھا وہ دوسری زندہ بیویوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی موجود نہ تھا اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ حضرت خدیجہ رض نے رسول اللہ صلعم کے دل میں ایسی جگہ قائم کرلی تھی کہ ان کی وفات کے بعد بھی حضورؐ کے دل سے ان کا خیال کبھی محو نہ ہو سکا اور جس خلوص اور وفاداری کے ساتھ، انھوں نے زندگی گذاری تھی، اس کا تذکرہ شب و روز حضورؐ کی زبان پر جاری رہتا تھا۔

رسول اللہ صلعم بعض غرباء اور محتاجوں کی متواتر امداد فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رض نے اس کی وجہ پوچھی تو حضورؐ نے فرمایا۔ خدیجہ رض نے مجھے ان لوگوں سے حسن سلوک کرتے رہنے کی وصیت کی تھی۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہ رض غصے میں آکر کہنے لگیں:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے نزدیک روئے زمین پر سوائے خدیجہ رض کے اور کوئی عورت ہی نہیں۔"

رسول اللہ صلعم انتہائی حلیم الطبع تھے۔ لیکن حضرت عائشہ رض کی یہ بات سن کر آپؐ نے ان سے بولنا چھوڑ دیا۔ آخر ان کی والدہ امّ رومان نے ان کی سفارش کی اور کہا:
"یا رسولؐ اللہ! عائشہ کم سن ہے۔ آپؐ اس کی باتوں کا زیادہ خیال نہ فرمایا کریں۔"
تب حضورؐ ان سے راضی ہوئے۔

ایک مرتبہ حضورؐ خدیجہ رض کا ذکر کر رہے تھے حضرت عائشہ رض کہنے لگیں۔ یا رسولؐ اللہ! آپ ہر وقت اس بوڑھی اور سرخ باچھوں والی عورت کا ذکر کیوں کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس سے بہتر بیوی عطا فرما دی ہے۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
" عائشہ تمہارا خیال غلط ہے خدیجہ رض سے بڑھ کر مجھے اور کوئی بیوی نہیں ملی۔ وہ

مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب لوگوں نے میری تکذیب کی۔ اس نے اس وقت مجھ پر اپنا مال خرچ کیا جب لوگوں نے مجھے مال و دولت سے محروم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خدیجہ رضؓ کے ذریعے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بیوی زینب بنت جحش آپ کے لئے شہد کا انتظام کیا کرتی تھیں اور حضورؐ بہت شوق سے اسے نوش فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ زینبؓ تمام امہات المومنین میں سب سے زیادہ خوبصورت تھیں اور حضورؐ ان کا خیال بھی بہت رکھتے تھے اس لئے حضرت عائشہؓ کو فکر پیدا ہوا کہ کہیں حضورؐ کی کامل توجہ انہی کی طرف مبذول نہ ہو جائے۔ انہوں نے حفصہ بنت عمر کے ساتھ مل کر ایک سکیم تیار کی جس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلعم کی طبیعت کو اس شہد کی طرف سے پھیر دیا جائے جو زینب آپ کے لئے مہیا کرتی ہیں۔ اس سکیم کا حال حضرت عائشہؓ خود اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتی ہیں۔

'میں نے حفصہ سے مل کر یہ منصوبہ بنایا کہ ہم میں سے جس کسی کے پاس رسول اللہ صلعم تشریف لے جائیں تو وہ آپ سے کہے۔ یا رسولؐ اللہ! آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے۔ مغافیر ایک شیریں لیکن بدبودار چیز ہوتی ہے اور رسول اللہ صلعم کو بدبودار چیزوں سے سخت نفرت تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے حفصہ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضورؐ کے بیٹھتے ہی انہوں نے کہا "یا رسولؐ اللہ! آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے" آپؐ نے فرمایا "میں نے مغافیر تو نہیں کھایا البتہ زینب بنت جحش کے پاس شہد ضرور پیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس میں مغافیر کی بو ہو۔ آئندہ میں وہ شہد نہیں پیوں گا۔

حضرت عائشہؓ کی ایک ادر سوت صفیہ کھانا پکانا بہت اچھا جانتی تھیں۔ اور ان کے ہاتھ کا کھانا رسول اللہ صلعم بہت شوق سے تناول فرماتے تھے حضرت

عائشہ رض کو یہ بات بُری لگی۔ وہ خود ذکر کرتی ہیں کہ میں نے صفیہ سے بہتر کھانا پکانیوالی اور کوئی عورت نہیں دیکھی۔ ایک دن رسول اللہ صلعم حضرت عائشہ رض کے گھر تشریف فرما تھے کہ صفیہ رض نے ایک لکڑی کے پیالے میں حضورؐ کے لئے کچھ کھانا بھیجا۔ وہ یہ دیکھ کر اپنے غصے کو ضبط نہ کر سکیں اور پیالے کو اتنے زور سے زمین پر مارا کہ وہ ٹوٹ گیا۔ لیکن فوراً ہی انھیں اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور انہوں نے عرض کیا۔

"یا رسولؐ اللہ! میرے اس فعل کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا: "برتن کے بدلے برتن اور کھانے کے بدلے کھانا۔"

تمام بیویوں میں حضرت ام سلمہ رض حضرت عائشہ رض کا کھلم کھلا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ چونکہ رسول اللہ صلعم ان کی طبیعت اور سرشت سے اچھی طرح واقف تھے، اس لئے ان سے بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رض کو یہ دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلعم میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے کہا "آپ سارا دن کہاں رہے؟" حضورؐ نے جواب دیا۔ "حمیرا ؤ! میں ام سلمہ رض کے پاس تھا۔" میں نے کہا، "نہ معلوم ام سلمہ کے پاس بیٹھ کر آپ کو کیا ملتا ہے؟" حضورؐ یہ سن کر مسکرا دیئے اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے کہا۔ یا رسولؐ اللہ! یہ تو بتلایئے۔ دو گھاٹیاں ہوں۔ ایک گھاٹی بنجر ہو جس کا سبزہ جانوروں نے کھا کر ختم کر دیا ہو اور ایک گھاٹی سرسبز و شاداب ہو اور جانوروں سے بالکل محفوظ تو آپ کس گھاٹی میں سیر کرنا پسند کریں گے۔ حضورؐ نے جواب دیا۔ "سرسبز و شاداب گھاٹی میں۔" میں نے کہا۔ تب میرا رتبہ دوسری تمام بیویوں سے بلند تر ہے کیونکہ میرے سوا اور کوئی کنواری عورت آپؐ کے عقد میں نہیں آئی۔"

یہ سن کر رسول خدا صلعم دوبارہ مسکرا دیئے۔

جو عورت ایسی معمولی باتوں کے باعث اپنی سوتوں پر رشک کا اظہار کر

سکتی ہے اس کے متعلق یہ اندازہ کرنا دشوار نہ ہوگا کہ کسی بیوی سے اولاد پیدا ہونے پر اس کے جذبۂ رقابت نے کس حد تک ترقی کی ہوگی۔ چنانچہ امّ ابراہیم ماریہ قبطیہ کے خلاف حضرت عائشہ رضؓ کا جذبۂ غیرت باقی سب بیویوں سے بڑھا ہوا تھا۔ اور انہوں نے اپنے اس جذبۂ رشک و غیرت کو دیگر بیویوں اور رسول اللہ صلعم سے چھپایا بھی نہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت تھی کہ وہ آپ کی ناراضی برداشت نہ کر سکتی تھیں لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک عورت کا دل بھی اپنے اندر رکھتی تھیں اور ان کی نسوانی طبیعت تقاضا کرتی تھی کہ جب وہ اپنی کسی سوت میں کوئی ایسی خوبی دیکھیں جو ان کے محبوب خاوند کی توجہ کو ان سے ہٹانے والی ہو تو اس کے خلاف منافرت، غیرت اور رشک کا اظہار کریں۔ جہاں یہ امر طبعی ہے کہ اپنے خاوند سے سچی محبت رکھنے والی بیوی اپنے خاوند کی مسرت میں پورے طور پر حصہ دار ہوتی ہے وہاں یہ امر بھی فطرت کے عین مطابق ہے کہ اگر اس کے خاوند کی مسرت کا اصل باعث اس کی کوئی سوت ہو تو وہ اس پر رشک و غیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

رشک و حسد کے اس مظاہرے کو دیکھ کر کبھی کبھی رسول اللہ صلعم ان پر ناراض بھی ہو لیتے تھے۔ لیکن اس سے مقصود محض ان کی اصلاح ہوتی تھی نہ کچھ اور چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضؓ نے صفیہ رضؓ کے متعلق کہہ دیا کہ وہ ٹھگنے قد کی عورت ہیں۔ یہ بات سن کر حضورؐ ناراض ہوئے اور فرمایا "عائشہ! تم نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ جسے اگر سمندر کے پانی میں بھی ملانا چاہو تو ملا سکتی ہو!"

اس طرح رسول اللہ صلعم عائشہ رضؓ کو یہ سبق سکھانا چاہتے تھے کہ کسی کی تحقیر کرنا، اس پر پھبتی اڑانا اور استہزاء سے پیش آنا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

چہ جائیکہ ام المومنین اور زوجہ رسول اللہ کو۔

ناز و ادا اور بات بات پر خاوند سے روٹھ جانا بھی عورت کی طبیعت کا ایک خاصہ ہے حضرت عائشہ رضی کو اس خصلت سے بھی وافر حصہ ملا ہوا تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ ناز و ادا میں بہت کم عورتیں آپ کی ہم پلہ ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ امہات المومنین نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ان کے نان و نفقہ میں اضافہ کیا جائے کیونکہ انہیں جو گزارہ ملتا ہے وہ ان کی ضروریات کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ لیکن یہ امر ازواج النبی کی شان کے خلاف تھا کہ وہ بھی دنیا دار لوگوں کی طرح مال و دولت کے پیچھے پڑ جائیں۔ پہلے تو رسول اللہ صلعم خاموش رہے لیکن جب اس مطالبہ نے شدت اختیار کی تو آپ اُن سے ناراض ہو گئے اور قسم کھالی کہ ایک مہینہ تک نہ کسی بیوی کے پاس جائیں گے نہ کسی سے بات کریں گے ادھر مسلمانوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دی۔

یہ خبر سن کر لوگوں میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا کیونکہ رسول اللہ کا اپنی سب بیویوں کو طلاق دے دینا معمولی واقعہ نہ تھا، اس کا اثر عام مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ ان قبائل پر بھی پڑنا تھا جن سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے سلسلہ مصاہرت قائم کیا تھا صحابہ پر اس غیر معمولی خبر کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی بن خطاب کے ایک انصاری دوست نے رات کے وقت یہ خبر سنی وہ بھاگے بھاگے حضرت عمر رضی کے مکان پر آئے اور اتنے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا کہ حضرت عمر رضی سخت اضطراب کی حالت میں باہر نکل آئے اور پوچھا کہ کیا ہوا۔ انہوں نے کہا کہ "میں ایک ہولناک خبر لے کر تمہارے

پاس آیا ہوں"۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ وہ کیا ؟ کیا عیسائیوں نے حملہ کر دیا۔ انصاری دوست نے کہا "نہیں وہ خبر اس سے بھی زیادہ وحشت انگیز ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی"

یہ سن کر حضرت عمرؓ فوراً رسول اللہ صلعم کے پاس پہنچے اور ان سے حقیقتِ حال دریافت کی معلوم ہوا کہ حضورؐ نے طلاق نہیں دی بلکہ صرف ایک ماہ کے لئے بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے اجازت لے کر مسلمانوں تک (جو سخت اضطراب کی حالت میں مسجد میں جمع تھے) یہ خبر پہنچا دی کہ طلاق کی خبر غلط ہے۔

اس امر پر تو کسی کو شبہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس واقعہ سے سب سے زیادہ قلق امہات المومنین کو ہوا تھا، کیونکہ اس کا براہِ راست تعلق ان ہی سے تھا اور ایسی سخت سزا اس سے قبل انہیں نہ ملی تھی چنانچہ اس واقعہ کا ان کے دل پر گہرا اثر تھا اور یہ پورا مہینہ انہوں نے سخت بے چینی میں گزارا۔

انتیس دن کے بعد رسول خدا صلعم بالاخانہ سے اترے اور سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اگرچہ انہیں جدائی کا ایک ایک لمحہ کاٹنا بھی دشوار ہو رہا تھا لیکن وہ اپنے ناز و ادا کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکیں۔ اور پہلی بات جو ان کے منہ سے نکلی وہ یہ تھی۔

" یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے قسم کھائی تھی کہ آپ مہینہ بھر تک ہم سے علیحدہ رہیں گے لیکن ابھی تو ۲۹ دن ہی ہوئے ہیں۔ آپ کیسے تشریف لے آئے؟"

رسول اللہ صلعم نے فرمایا" مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے "

کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ حضرت عائشہؓ پورے ۳۰ دن تک حضورؐ سے جدا رہنے کی خواہشمند تھیں اور اس میعاد کے گزرنے

کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ اللہ تعالےٰ ان سے کبھی ناراض نہ ہو۔ اسلئے جوہنی انہیں معلوم ہؤا کہ یہ باتیں اللہ تعالےٰ کی ناراضی کا موجب ہوتی ہیں۔ فوراً انہیں ترک کر دیا۔

عائشہ رضؓ

حضرت عائشہؓ ام رومان کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ ام رومان کے نام اور نسب کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام "زینب" تھا اور بعض کہتے ہیں وعد تھا۔ وہ بنو کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عقد میں آنے سے قبل وہ عبداللہ بن حارث بن سنجرہ کی زوجیت میں تھیں اور ان سے ایک لڑکا "طفیل" بھی پیدا ہوا تھا عبداللہ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ نے ان سے شادی کرلی۔

وہ بہت ذکی اور فہیم خاتون تھیں۔ انہیں آغازِ اسلام ہی میں قبولیتِ حق کی توفیق ملی اور وہ مسلمان ہوگئیں۔ بعد میں ہجرت کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور دینِ حقہ کی راہ میں ان کے نامور شوہر نے جو تکلیفیں اٹھائیں اُن میں وہ ان کی برابر کی شریک رہیں۔ ان کے صدق و اخلاص کو دیکھ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

"جو شخص اس دنیا میں جنّت کی حور کو دیکھنا چاہے وہ ام رومان کو دیکھ لے۔"

کا شکریہ ادا کرو۔"

میں نے کہا "خدا کی قسم! نہ میں کھڑی ہوں گی اور نہ اللہ کے سوا کسی کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری برأت نازل فرمائی۔"

اس موقعہ پر حضرت عائشہؓ کا رسول اللہ صلعم سے روٹھ جانا فطرت کے عین مطابق تھا۔ ان پر ایک ایسا بہتان لگایا گیا جس سے وہ بالکل پاک تھیں لیکن کسی شخص نے کھلم کھلا اس کی تردید نہ کی۔ بعض لوگ خاموش رہے اور بعض نے انتہائی غیر مناسب طریقے پر اسے موضوع گفتگو بنا لیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اللہ تعالےٰ نے آپ کی برأت نازل فرمائی تو رنج اور غصہ کی وجہ سے وہ حضورؐ سے روٹھ گئیں اور آپ نے بھی اُسے بُرا نہیں منایا۔

بعض اوقات حضرت عائشہؓ ناراض ہو جاتیں لیکن اپنی ناراضی کو ظاہر نہ ہونے دیتیں۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً بھانپ جاتے۔ ایک مرتبہ حضور صلعم نے فرمایا:۔

"عائشہ! جس وقت تم مجھ سے ناراض ہو جاتی ہو تو مجھے فوراً پتہ لگ جاتا ہے۔"

حضرت عائشہؓ نے پوچھا "یا رسولؐ اللہ! وہ کیسے؟"

حضورؐ نے فرمایا۔

"جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو، محمدؐ کے رب کی قسم! فلاں بات اس طرح ہے۔ اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو۔ ابراہیم کے رب کی قسم! یہ اس طرح ہے۔"

یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے کہا۔

یا رسولؐ اللہ! یہ بات ٹھیک ہے۔ ناراضی کے وقت میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔"

ناز و ادا کی یہ کیسی بہترین مثال ہے جو حضرت عائشہؓ نے پیش کی۔

نسوانی طبیعت کے تقاضے کے باعث انہیں اپنے بچپن کے واقعات سے دلچسپی تھی اور ان واقعات کو بڑے پُرلطف طریقے سے بیان کیا کرتی تھیں۔ گو زوجۂ رسولؐ اللہ ہونے کی وجہ سے بہت تنگی سے گزارہ کرتی تھیں، بایں ہمہ انہیں بناؤ سنگار کرنے اور زرق برق کپڑے پہننے کا بہت شوق تھا۔ خود بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے گھر میں اکیلی تھی۔ نئے کپڑے پہنے ہوئے ٹہل رہی تھی اور بار بار انہیں دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ اتنے میں ابوبکرؓ گھر میں آئے اور کہا:

عائشہ! تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تمہیں نہیں دیکھ رہا!"

میں نے پوچھا۔ "کیوں"؟

انہوں نے جواب دیا۔

"جب کسی دنیوی چیز کی وجہ سے بندے میں خود پسندی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک وہ اس زیبائش والی چیز کو اپنے سے علیحدہ نہ کر دے۔"

یہ سن کر میں نے وہ کپڑے اتار دیئے اور کچھ صدقہ بھی دیا۔ اس پر ابوبکرؓ نے کہا۔

"اب امید ہے کہ اللہ تعالےٰ تمہارا گناہ بخش دے گا۔"

اس واقعہ سے حضرت عائشہؓ کی سیرت کے دونوں پہلو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ نسوانی خصوصیات کی حامل ہونے کی وجہ سے ان میں بناؤ سنگار کرنے اور نئے نئے کپڑے پہننے کا بے حد شوق تھا۔ اسی لئے وہ اپنے کپڑوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف وہ امّ المومنین تھیں اور ان

سے حضورؐ کا اپنے پاس آنا پسند نہ کرتی تھیں۔ انہیں تو آپ کی جدائی کے باعث ایک لمحہ کے لیئے بھی قرار نہ تھا۔ لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ اپنے پہلو میں ایک عورت کا دل رکھتی تھیں اور ایک عورت اپنے خاوند سے جس قدر ناز و ادا کے ساتھ پیش آئے بجا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ بہتان طرازی کا وہ افسانہ ہے جسے منافقین نے اپنے ناپاک مقاصد کی مطلب براری کے لئے گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلایا تھا۔ اس واقعہ کا علم حضرت عائشہؓ کو مہینہ بھر بعد ہوا اپنے متعلق اس قسم کے ناپاک الزامات کا ذکر سن کر انہیں انتہائی صدمہ ہوا اور وہ رسول اللہ صلعم سے اجازت لے کر اپنے گھر چلی گئیں۔ وہاں والدین سے شکوہ کیا کہ ایک مہینہ سے شہر میں اس قسم کے چرچے ہو رہے ہیں کہ انہوں نے اس کے متعلق ایک حرف بھی انہیں نہیں بتایا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے عائشہؓ بیان کرتی ہیں۔

"میں اپنے والدین کے گھر ہی میں تھی کہ حضورؐ تشریف لائے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد فرمایا۔ عائشہؓ! تمھارے بارے میں اس قسم کی باتیں میرے پاس پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تعالےٰ خود تمہاری بریت نازل فرمائے گا۔ اور اگر تم واقعی اس گناہ میں ملوث ہو گئی تو اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرو کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہے تو وہ غفور الرحیم بھی اسے معاف کر دیتا ہے۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی بات ختم کر چکے تو میرے وہ آنسو جو پچھلے کئی دن سے جاری تھے، یکایک تھم گئے اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو کا کوئی قطرہ تھا ہی نہیں۔ میں نے والد سے کہا۔ رسولؐ اللہ کو جواب دیجئے!

انہوں نے فرمایا: "میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کہ میں کیا جواب دوں۔ اس پر میں نے والدہ سے کہا: "آپ جواب دیجئے۔" انہوں نے بھی یہی کہا کہ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔

"میں اس وقت کم سن تھی اور زیادہ قرآن بھی پڑھا ہوا نہیں تھا۔ یہ باتیں سن کر میں نے کہا۔

"آپ نے یہ بات اتنے تواتر سے سنی ہے کہ وہ آپ کے دلوں میں راسخ ہو گئی ہے اور آپ نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے۔ لیکن اگر میں کسی گناہ کا اعتراف کر لوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ جھٹ میری بات مان لیں گے۔ خدا کی قسم! میں صرف وہی بات کہہ سکتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی تھی۔ یعنی فصبرٌ جمیل واللہ المستعان علےٰ ما تصفون۔ (صبر کرنا ہی بہتر ہے اور ان باتوں کے مقابلے میں جو تم بیان کرتے ہو، اللہ تعالیٰ ہی میرا مددگار ہے۔"

اس کے بعد میں منہ پھیر کر اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

خدا کی قسم! ابھی رسول خدا صلعم اپنی جگہ سے اٹھے نہ تھے اور گھر والوں سے کوئی باہر نہ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر وحی نازل فرمائی اور رسول اللہ صلعم پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوا کرتی تھی۔ اس وقت شدتِ سرما کے باوجود موتیوں کی مانند پسینے کے قطرے حضورؐ کے چہرہ مبارک سے ٹپک رہے تھے۔ جب یہ حالت جاتی رہی تو آپ مسکرائے اور پہلی بات یہ کہی: "عائشہ تمہیں بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بریت نازل فرما دی ہے۔"

یہ سن کر میری والدہ کہنے لگیں: "عائشہؓ! کھڑی ہو جاؤ اور رسول اللہ صلعم

ان کے سن وفات کی تعیین میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عثمان رض کے زمانے تک زندہ رہیں۔ امام بخاری نے بھی موخر الذکر روایت کو لیا ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہی روایت مختلف وجوہات کی بنا پر قابل ترجیح ہے۔

یہ امر متفق نہیں ہو سکا کہ حضرت عائشہ رض کس سن میں پیدا ہوئیں تاہم اغلب خیال یہ ہے کہ ان کی ولادت ہجرت سے گیارہ بارہ سال قبل ہوئی۔ اس لحاظ سے رسول خدا صلعم کے عقد زوجیت میں آنے کے وقت ان کی عمر چودہ سال کے لگ بھگ بنتی ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رض کی رنگت سرخ و سپید تھی اسی لئے رسول اللہ صلعم انہیں "حمیرا" کے نام سے پکارتے تھے۔ قد لمبا تھا کیونکہ احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ وہ ٹھگنے قد کو پسند کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول خدا صلعم سے اپنی سوکن حضرت صفیہ رض کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"یا رسول اللہ! وہ تو پست قد کی عورت ہے۔"

یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان پر ناراض ہوئے اور فرمایا۔

"عائشہ! تم نے (اخلاقی لحاظ سے) ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں بھی ملانا چاہو تو ملا سکتی ہو۔"

بچپن میں وہ بہت دبلی پتلی ہوتی تھیں۔ چنانچہ واقعہ افک کے ذیل میں وہ خود فرماتی ہیں۔

ہودج کو اونٹ پر رکھنے والے آئے اور میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ ان کا خیال تھا میں اسی میں ہوں۔ اس زمانے میں عورتیں دبلی پتلی ہوتی

تھیں اور ان پر گوشت چڑھا ہُوا نہیں ہوتا تھا کیونکہ ان کو خوراک بہت کم ملتی تھی۔ میں تو اس زمانے میں تھی بھی کمسن، چنانچہ جس وقت ہودج اٹھانے والوں نے ہودج کو اونٹ پر رکھا تو ہلکا ہونے کے باوجود انہیں ہودج کے خالی ہونے کا شبہ بھی نہ ہُوا۔"

تاہم چند سال بعد ان میں تدرے موٹاپا آگیا تھا چنانچہ ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

میں ایک دفعہ سفر کے دوران رسول اللہ صلعم کے ہمراہ تھی۔ اس وقت میں کم سن ہی تھی اور مجھ پر گوشت چڑھا ہُوا نہ تھا۔ راستے میں حضورؐ نے اپنے ہم سفر لوگوں سے فرمایا۔ ذرا آگے بڑھ جاؤ" چنانچہ لوگ آگے بڑھ گئے تب حضورؐ نے مجھ سے کہا آؤ دوڑ کا مقابلہ کریں۔ دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے" میں چونکہ ہلکی پھلکی تھی اس لئے حضورؐ سے آگے نکل گئی، حضورؐ خاموش رہے اور کچھ نہیں فرمایا۔ پھر ایک دفعہ دوبارہ سفر کا موقع آیا۔ رسولُ اللہ نے حسب سابق لوگوں کو آگے بھیج کر مجھ سے دوڑ کا مقابلہ کرنے کے لئے کہا۔ اس وقت مجھ پر گوشت چڑھ چکا تھا اس لئے میں دوڑ میں حضورؐ سے پیچھے رہ گئی۔ حضورؐ مسکرائے اور فرمایا۔

"عائشہ! وہ پچھلا بدلہ اتر گیا۔"

حضرت عائشہ رضؓ کی بیان کردہ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شدید بخار کی وجہ سے ان کے بال جھڑ گئے تھے چنانچہ منجملہ دیگر روایات کے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"تم میں سے جس عورت کے بال ہوں وہ انہیں سنوار کر رکھے[1]"

---

[1] اس سلسلہ میں واضح روایت وہ ہے جس میں حضرت عائشہ رضؓ اپنے نکاح اور رخصت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

(باقی صـ۴۲ پر)

حضرت عائشہ رضؓ میں سخاوت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہ خصلت انہوں نے اپنے والد محترم سے ورثہ میں پائی تھی۔ اور وہ ان کے نقش قدم پر چلنا اپنا فرض خیال کرتی تھیں۔ غلاموں کو آزاد کرنے، بیکسوں کی ہمدردی کرنے، محتاجوں کی مدد کرنے اور مصیبت زدوں کی مصیبت دور کرنے میں ان کا مال بے دریغ خرچ ہوتا تھا۔ ان کی غرباء پروری، سخاوت اور بذل وعطا کی یہ حالت عسر ویسر ہر حالت میں یکساں رہی۔ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں ان کی زندگی بہت عسرت میں بسر ہوئی۔ مال و دولت تو کجا، دو وقت کے کھانے کو بھی مشکل ہی سے میسر آتا تھا حضورؐ کے بعد جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور مدینے میں دولت کی ریل پیل ہونے لگی تو امہات المومنین کے بیش قرار وظیفے مقرر ہو گئے۔ لیکن حضرت عائشہ رضؓ کے معمول میں فرق نہ آیا۔ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں بھی ان کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، یہ خیال کئے بغیر کہ اگلے دن کی روٹی کا انتظام کس طرح ہوگا، وہ اسے محتاجوں میں تقسیم کر دیتی تھیں اور بعد میں جب مال و دولت کی افراط ہو گئی تب بھی کبھی ایسا نہ ہوا کہ وظیفہ آیا ہو اور شام سے پہلے پہلے غریبوں میں تقسیم نہ ہو گیا ہو۔

عتبہ بن ابو الہلب کی ایک حبشی لونڈی بریرہ تھی جس کی شادی اس کی مرضی کے بغیر مغیرہ کے ایک غلام سے ہو گئی تھی۔ بریرہ کو اپنے شوہر سے سخت نفرت تھی۔ اور وہ اس سے تعلق رکھنا قطعاً پسند نہ کرتی تھی حضرت عائشہ رضؓ نے اس پر ترس کھا کر عتبہ سے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ بریرہ کا نکاح حالت غلامی میں اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا گیا تھا۔ اب اگر وہ چاہے تو اسے فسخ کر سکتی ہے یا نہیں۔ حضورؐ نے جواب دیا۔

"اب وہ اپنی مالک و مختار آپ ہے۔ اسے اختیار ہے چاہے فسخ کر دے چاہے قائم رکھے۔"

بریرہ کے شوہر کی حالت اس کے برعکس تھی۔ وہ اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور ہر وقت بریرہ کے پیچھے پھرتا رہتا تھا لیکن بریرہ اس سے مطلق ملتفت نہ ہوتی تھی۔ میاں بیوی کی ان متضاد حالتوں کو دیکھ کر رسول اللہ صلعم کو بہت تعجب ہوا اور آپ نے صحابہ سے ذکر فرمایا کہ بریرہ کے شوہر کو دیکھو اگرچہ بیوی اس سے سخت نفرت کرتی ہے لیکن اس کی محبت کا یہ حال ہے کہ وہ اس سے جدا ہونا مطلق پسند نہیں کرتا۔ بالآخر آپ نے بریرہ سے کہا۔ اللہ سے ڈرو اور اپنی ضد کو ترک کردو۔ وہ تمہارا خاوند ہے اور تمہارے بیٹے کا باپ! اس نے کہا۔ کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں۔؟ حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں میں حکم نہیں دیتا۔ صرف سفارش کرتا ہوں۔" لیکن بریرہ اس پر بھی راضی نہ ہوئی اور کہا۔ مجھے اپنے شوہر سے نفرت ہے اور میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتی۔

حضرت عائشہؓ نے بریرہ پر جو احسان کیا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ بریرہ مستقل طور پر ان کی ہی خدمت میں رہنے لگی اور مرتے دم تک آپ کے احسان کو نہ بھولی۔ حضرت عائشہؓ کو اخلاقِ حسنہ سے جو حصہ وافر عطا ہوا تھا اس کا سب سے بڑا سبب اس پاک ہستی کا قرب تھا جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمۃ اللعالمین کا خطاب مرحمت ہوا تھا۔ اور سچا طور پر یتیموں کا والی اور غلاموں کا مولا تھا۔ عائشہؓ کو جو فطری خصائل ودیعت کیے گئے تھے رسول اللہ صلعم کی پاک صحبت نے انہیں اوجِ کمال تک پہنچا دیا۔ ثبوت کے لیے ذیل کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عائشہؓ کے پاس ایک یتیم لڑکی فارعہ بنت اسعد تھی۔ اس کی شادی انہوں نے نبلیط بن جابر انصاری سے کی اور اسے شوہر کے گھر چھوڑنے خود تشریف لے گئیں جب واپس آئیں تو رسول اللہ صلعم نے پوچھا" تم نے کچھ گانے بجانے کا سامان بھی کیا تھا یا نہیں ؟ انہوں نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ گانے بجانے کا تو

(وہ پاک دامن اور باوقار بھی مشتبہ نہیں تھی اور بھولی بھالی لڑکیوں کا گوشت کھانے (یعنی غیبت کرنے) سے باز رہتی تھی۔)

تو حضرت عائشہ رضؓ نے کہا "لیکن تم تو ایسے نہیں ہو[1]"

یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور عرض کیا۔ آپ حسان کو باریابی کی اجازت کیوں دیتی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہی کے متعلق فرمایا ہے۔

والذی تولی کبرہ منہم لہ عذاب الیم ہ

جس شخص کا اس بہتان میں بڑا حصہ تھا اسے بہت بڑا عذاب بھگتنا پڑیگا۔"

یہ سن کر حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا "تم دیکھتے نہیں کہ کس قدر دردناک عذاب میں مبتلا ہیں، ان کی آنکھیں جاتی رہی ہیں۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کو اس واقعہ کا کتنا رنج تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے حسان کو جتا بھی دیا کہ تم نے مجھ پر کیا اتہام لگایا تھا۔

البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حسان کو معاف کر دیا تھا۔

چنانچہ یوسف بن مالک اپنی والدہ کی زبانی یہ روایت بیان کرتے ہیں۔

"میں حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی۔ باتوں باتوں میں حسان کا ذکر آگیا۔ میں نے انہیں برا بھلا کہا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا۔ تم حسان کو برا بھلا کہتی ہو حالانکہ انہوں نے یہ شعر کہا ہے ؎

فان ابی و والدہ وعرضی بعرض محمد منکم وقاء

(میرے باپ دادا کی اور میری عزت و آبرو محمد کی عزت تم (کافروں) سے بچانے کے لئے سپر ہے)

---

[1] حسان بن ثابت بھی حضرت عائشہ رضؓ پر بہتان لگانے والوں کے ساتھ تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اسی طرف اشارہ کیا۔ (مترجم)

میں نے کہا ”کیا حسان ان لوگوں میں نہیں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتہام لگانے کی پاداش میں دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجی ہے۔“

حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا:

”یہ حسان ہی تو ہیں جنھوں نے میرے متعلق یہ اشعار کہے ہیں ؎

حصان رزان ما تزن بریبۃ   وتصبح غرثی[۱] من لحوم الغوافل

فان کان ما قد جاء عنی قلتہ   فلا رفعت سوطی الی انامل

عائشہ رضؓ تو بہت باوقار اور پاکباز خاتون ہیں۔ ان کی عصمت و عفت کے متعلق شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ بھولی بھالی لڑکیوں کا گوشت نہیں کھاتیں۔ اگر وہ باتیں جو میری طرف منسوب کی جاتی ہیں، سچ ہوں تو خدا کرے میرا ہاتھ بالکل شل ہو جائے۔“)

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں۔

”میں حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حسان بن ثابت کا جنازہ گزرا۔ میں نے ان کی نسبت کچھ نازیبا الفاظ کہے لیکن حضرت عائشہ رضؓ نے مجھے روک دیا اور ان کے اشعار کا ذکر کرنے لگیں۔ انہوں نے کہا۔ تم حسان کو برا بھلا کہتے ہو حالانکہ یہ شعر انہی کا ہے ؎

فان ابی و والدہ و عرضی   لعرض محمد منکم وقاء

(میرے باپ دادا کی اور میری عزت و آبرو محمد کی عزت تم (کافروں) سے بچانے کے لئے سپر ہے)۔

بہرحال یہ امر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ گو حسان کی باتوں کو حضرت عائشہ رضؓ فراموش نہ کر سکتی تھیں لیکن آپ نے درگذر سے کام لیا اور ان کی غیبت سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کیا۔

جنگ جمل کے واقعات پڑھ کر یہ علم بھی ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ جہیر الصوت تھیں اور تقریریں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا چنانچہ جب وہ اپنے ہودج پر سوار ہوکر فوج سے خطاب کرتی تھیں تو سارے لشکر میں سناٹا چھا جاتا تھا اور ہر شخص ہمہ تن گوش ہوکر آپ کی تقریر سنتا تھا۔

حضرت عائشہؓ کے جملہ اوصاف وخصائل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر عادات واخلاق انہیں اپنے والد محترم سے ورثہ میں ملے تھے حضرت ابوبکرؓ بہت خوبصورت انسان تھے۔ چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ "عتیق" کا لقب انہیں خوبصورتی ہی کی وجہ سے ملا تھا۔ وہ چھریرے بدن کے تھے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی دبلی پتلی تھیں۔ حضرت صدیقؓ کی طبیعت میں قدرے تیزی تھی۔ حضرت عائشہؓ کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ بہت ذکی اور فہیم انسان تھے۔ حضرت عائشہؓ کی ذکاوت و فطانت میں بھی کون شبہ کرسکتا ہے۔ حضرت صدیق بے حد رحم دل، اور محتاجوں، غریبوں اور مسکینوں کی حد درجہ ہمدردی کرنے والے تھے۔ حضرت عائشہؓ بھی سخاوت اور فیاضی میں ایسی ہی تھیں اور غریب اور مسکین عورتوں پر بے حد شفیق اور مہربان۔

ابوبکرؓ نے جاہلیت اور اسلام، کسی زمانے میں بھی جھوٹ نہیں بولا اور اسی وجہ سے صدیق کہلائے، حضرت عائشہؓ سے بھی زندگی بھر میں ایک جھوٹ ثابت نہیں اور اسی خصلت کے باعث آج تک آپ کو صدیقہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت صدیقؓ بڑے فصیح و بلیغ تھے حضرت عائشہؓ کی طاقت لسانی کے ذکر

(بقیہ حاشیہ صا) "رسول اللہ صلعم سے میرا نکاح چھ سال کی عمر میں (مکہ میں) ہوا تھا جب ہم ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو بنوالحارث بن خزرج کے محلہ میں اترے۔ وہاں مجھے بخار آنے لگا جس سے میرے سر کے بال جھڑ گئے۔" (بخاری)

سے بھی کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ غرضیکہ عادات واطوار اور اخلاق کے لحاظ سے حضرت عائشہ رضؓ بالکل اپنے والد کی مثل تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسولؐ اللہ صلعم حضرت عائشہ رضؓ کی گفتگو سنتے تو فرمایا کرتے۔

"کیوں نہ ہو، آخر ابوبکر رضؓ کی بیٹی ہے۔"

یہ امر عام طور پر مشاہدہ میں آتا ہے کہ جس شخص کی طبیعت میں تیزی ہوتی ہے اسے گو غصہ جلدی آجاتا ہے لیکن یہ حالت تھوڑی دیر تک رہتی ہے۔ کچھ دیر بعد جب اس کا غصہ اتر جاتا ہے تو اُسے یاد بھی نہیں رہتا کہ کیا واقعہ ہوا تھا۔ ایسا شخص درگذر کرنے میں بھی بخل سے کام نہیں لیتا اور بہت جلد قصور واروں کو معاف کر دیتا ہے۔ یہی حال حضرت عائشہ رضؓ کا بھی تھا۔ اگر کسی فرد کی طرف سے انہیں تکلیف پہنچتی تو وہ بہت جلد اسے معاف کر دیا کرتی تھیں، البتہ واقعہ افک کی یاد ہمیشہ آپ کے دل میں جاگزیں رہی اور آپ بہتان لگانے والوں اور ان کی باتوں کو کبھی نہ بھول سکیں۔ ایسا کرنے میں آپ یقیناً حق بجانب تھیں۔ حضرت عائشہ رضؓ ہی پر موقوف نہیں، کوئی بھی پاکباز عورت ایسے اوچھے اور ناپاک اتہام کو برداشت نہیں کر سکتی جس سے اس کی عصمت پر ذرا سا بھی حرف آتا ہو۔ چنانچہ اس غم و اندوہ کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا جو صدیقہ کو واقعہ افک کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ اس ایک واقعہ کے علاوہ اور کوئی واقعہ ہمیں ایسا نہیں ملتا کہ حضرت عائشہ رضؓ کو کسی جانب سے کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ اور آپ نے اسے فراموش نہ کر دیا ہو۔

مسروق ہمدانی بیان کرتے ہیں:

"میں حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حسان بن ثابت بھی موجود تھے اور اپنی لڑکی کا مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے ؎

حصان رزان ما تزن بریبۃ　　　وتصبح غرثیٰ من لحوم الغوافل

کوئی سامان نہیں کیا"۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا" تمہیں چاہیئے تھا کہ کسی لڑکی کو بھیج دیتیں جو دف بجاتی اور یہ گیت گاتی۔ ے۔

اتیناکم اتیناکم فحیونا نحییکم
ولولا الذهب الاحمر ماحلت بواديكم
ولولا الحنطة السمراء ماسمنت عذاديكم[1]

حضرت عائشہ رض کی ایک خادمہ ام ذرہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رض نے انہیں دو بڑی تھیلیوں میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔ اس دن وہ روزہ سے تھیں۔ انہوں نے ایک طباق منگایا اور رقم کو اس طباق میں ڈال کر بانٹنا شروع کر دیا۔ شام ہوئی تو انہوں نے کھانے کے لئے کچھ لانے کو کہا۔ میں نے عرض کیا" ام المومنین! افطار کے لئے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کو چاہیئے تھا اس رقم سے ایک درہم کا گوشت منگا لیتیں۔ لیکن آپ نے سب کی سب رقم تقسیم کر دی۔ حضرت عائشہ رض نے فرمایا" ام ذرہ! مجھے ملامت نہ کرو۔ اگر تم اسی وقت مجھے یاد دلادیتیں تو میں رکھ لیتی۔

عروہ بن زبیر رض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رض نے میرے سامنے ہزار کی رقم خیرات کر دی اور دوپٹے کا گوشہ جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سخاوت اور احسان میں حضرت عائشہ رض کس حد تک بڑھی ہوئی تھیں۔

---

[1] گیت کا ترجمہ یہ ہے :۔ "ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے۔ تم ہمیں سلام کرو ہم تمہیں سلام کرتے ہیں۔ اگر سونا نہ ہوتا تو زیور کا بھی نام ونشان نہ ہوتا۔ اور اگر دانۂ گندم نہ ہوتا تو تمہاری دوشیزاؤں پر کبھی گوشت نہ چڑھتا" (مترجم)

عادات وخصائل میں حضرت عائشہ رضؓ صحیح معنوں میں اپنے والد کی بیٹی تھیں۔
اخلاق وعادات میں جو اشتراک ان دونوں میں پایا جاتا ہے اس کی مثال ملنی ناممکن
ہے لیکن جو خصلت سب سے بڑھ کر ان دونوں میں تھی وہ صدق کی تھی۔ یہ خصلت
نہ صرف دونوں باپ بیٹی میں مشترک تھی بلکہ ان کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان
مابہ الامتیاز بھی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر کا لقب "صدّیق" مشہور ہوا اور اس
لقب نے اتنی شہرت پائی کہ اس کے سامنے لوگ آپ کے اصلی نام ہی کو بھول گئے۔
اللہ تعالےٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے صدق اخلاص کا امتحان بڑے نازک
مرحلوں پر لیا لیکن وہ دہکتی آگ میں سے ہمیشہ کندن بن کر ہی نکلے۔ حضرت عائشہ رضؓ
کے ساتھ بھی کئی بار ایسا ہی ماجرا گزرا اور انہیں بھی کسوٹی پہ بارہا پرکھا گیا۔ لیکن
ہر بار انہوں نے اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچایا کہ انہوں نے اپنے
والد سے جو میراث پائی تھی اُسے وہ کسی طرح بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔
اس خوفناک وقت کا تصور کرو جب سارا عالم اسلامی اختلافات کی آگ میں جل
رہا تھا فریقین اپنی تائید میں جھوٹی حدیثیں گھڑ کر انہیں عامۃ الناس کے سامنے
بے محابا پیش کر رہے تھے جھوٹی حدیثیں بنانے والوں کا ایک گروہ چند ٹکوں کی خاطر
اس ناپاک مشغلے میں مصروف تھا۔ حالات نے ایسا رخ اختیار کر لیا تھا کہ حضرت
عائشہ رضؓ کو بھی مجبوراً سیاست میں دخل دینا پڑا تھا۔ وہ چاہتیں تو بہت آسانی سے
لوگوں کو ایسی احادیث سنا سکتی تھیں جن سے ان کے مخالفین کی تنقیص مطلوب
ہوتی۔ کسی شخص کو بھی ان پر شک کرنے کی گنجائش نہ ہوتی کیونکہ ان کا بیشتر وقت
رسول اللہ صلعم کی صحبت میں گزرا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنا دامن اس آلودگی سے
ہمیشہ محفوظ رکھا اور احادیث بیان کرتے وقت کبھی بھی اپنی زبان سے کوئی لفظ
ایسا نہ نکالا جسے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو۔ انہوں نے

حضرت علی رضؓ سے جنگ کی۔ لیکن حضرت علی رضؓ کی منقبت میں رسولِ خدا صلعم نے اپنی زبان مبارک سے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا کبھی اس کی تردید نہ کی۔ اور ان کے مرتبے اور علم وفضل کا ہمیشہ اعتراف کیا۔ یہ امتحان ایسا تھا جس سے بڑھ کر امتحان ممکن نہ تھا لیکن انہوں نے ہمیشہ راست گوئی کو اپنا شعار بنائے رکھا اور نفسانی خواہشات کی دلدل میں پھنس کر کبھی اپنے دامن کو جھوٹ سے آلودہ نہ کیا۔ یہ وجہ تھی کہ جب کوئی شخص ان سے کوئی حدیث روایت کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہم سے یہ بات صدیقہ بنت صدیق نے بیان کی۔

ذکاوت وفطانت اور بدیہہ گوئی میں بھی وہ اپنے والد کے ہم پلہ تھیں، ان کے ہمعصر لوگوں میں کوئی فرد بھی ایسا نہ تھا جو فہم وفراست، عقل وسیاست، معاملہ فہمی اور دوربینی میں ان کا مقابلہ کرسکتا ہو۔ نتائج کو اخذ کرنے اور معاملات کی تہہ کو پہنچ جانے کی حیرت انگیز صلاحیت ان میں موجود تھی۔

ابوالزناد ذکر کرتے ہیں کہ عروہ بن زبیر رضؓ کو بڑی کثرت سے اشعار یاد تھے کسی شخص نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ شعر حفظ کرنے میں تو آپ کو کمال حاصل ہے۔ انہوں نے کہا "میرا کمال حضرت عائشہ رضؓ کے کمال کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ ان کی تو یہ حالت تھی کہ جب کبھی کوئی واقعہ پیش آتا وہ فوراً اس کے مناسب حال شعر پڑھ دیا کرتی تھیں۔

عروہ بن زبیر رضؓ حضرت عائشہ رضؓ کے بھانجے تھے اور آپ کو ان سے بے حد محبت تھی۔ عروہ بھی اپنی خالہ کی بے حد تعظیم اور توقیر کرتے تھے اور ان کے متعلق کوئی ایسی بات بیان نہیں کرتے تھے جو خلاف واقعہ اور ان کی شان میں بٹہ لگانے والی ہو۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کے ادبی ذوق اور سخن فہمی کے متعلق جو روایات بیان کی ہیں ان سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کی قوتِ حافظہ کتنی زبردست تھی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضؓ یہ شعر پڑھ رہی تھیں ؎

ارفع ضعیفک لا یحریک ضعفہ　　یوماً فتدرکہ العواقب قد نما

یجزیک او ثبنی علیک وان من　　آثنی علیک بما فعلت فقد جزی

(ضعیف اور کمزور انسان کی مدد کرو اور اسے پستی سے نکال کر اعلیٰ مقام پر پہنچانے کی کوشش کرو۔ یہ مت خیال کرو کہ یہ ضعیف اور کمزور انسان میری کیا مدد کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے ایسا دن بھی آ جائے جب وہ تمہارے احسان کا بدلہ چکا دے لیکن اگر وہ عملی طور پر احسان کا بدلہ نہ چکا سکے تب بھی کوئی بات نہیں کیونکہ اس کی دلی دعائیں ہی تمہارے لئے بہترین بدلہ ثابت ہوں گی)"

رسول اللہ صلعم نے یہ شعر سن کر فرمایا :

"جبریل میرے پاس میرے رب کا یہ پیغام لے کر آئے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی پر احسان کرے اور وہ اس احسان کے بدلے میں اسے دعائیں دے یا اس کی تعریف کرے تو یہ دعائیں اور تعریفیں ہی اس کے لئے کافی ہیں"

حضرت عائشہ رضؓ کو خود عروہ بن زبیر رضؓ کے شعر یاد تھے اور وہ موقعہ بہ موقعہ انہیں پڑھا کرتی تھیں۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ رسول اللہ صلعم بیٹھے اپنی جوتیوں کی مرمت کر رہے تھے اور آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضؓ نے کہا۔ کاش عروہ آپ کو اس حالت میں دیکھتے۔ آپ ہو بہو ان اشعار کے مصداق ہیں۔ ؎

فلو سمعوا فی مصر اوصاف خدہ　　لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لواحی زلیخا لو رأین جبینہ　　لآثرن بالقطع القلوب علی الایدی

(اگر اہلِ مصر میرے ممدوح کے حسن کا شہرہ سن لیتے تو یوسف کی خریداری کے

لئے کبھی اپنی پونجی خرچ نہ کرتے اور اگر زلیخا کی سہیلیاں اس کی منور پیشانی کا جلوہ دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے دل ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو ترجیح دیتیں۔

جب ان کے والد کا آخری وقت آیا تو ان کی زبان پر یہ شعر جاری ہوا۔

لعمری ما یغنی الثراء عن الفتیٰ

اذا الحشرجت یوما وضاق بھا الصدر

(میری جان کی قسم! جب انسان جان کنی کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سانس نہ آنے کی وجہ سے اس کا سینہ گھٹنے لگتا ہے۔ اس وقت مال و دولت کام نہیں آتا۔)

یہ شعر بھی اسی موقعہ پر انہوں نے پڑھا تھا: ؎

وابیض یستقی الغمام بوجھہ

ثمال الیتمیٰ عصمۃ للارامل

(وہ فیاضی اور سخاوت میں اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ معلوم ہوتا تھا بادل کو بھی پانی اسی کے ذریعے میسر آتا ہے۔ وہ یتیموں کا خبر گیر اور بیواؤں کا محافظ ہے)؛

جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اپنی جان جان آفریں کو سپرد کر چکے تو انہوں نے یہ شعر پڑھا ؎

وکل ذی غیبۃ یوب　　　وغائب الموت لا یؤب

(نظروں سے اوجھل ہونے والی ہر چیز کی واپسی کی امید ہو سکتی ہے۔ اگر نہیں ہو سکتی تو اس شخص کی جسے موت نظروں سے اوجھل کر دے۔)

ایک مرتبہ انہوں نے عرب کے مشہور شاعر زہیر کے چند اشعار جو اس نے ایک شخص ہرم کی مدح میں کہے تھے، سنے۔ وہ اشعار انہیں اس قدر پسند آئے کہ انہوں نے زہیر کی بیٹی سے کہا۔

وہ حلے جو تمہارے باپ نے حرم کو پہنائے ہیں امتدادِ زمانہ کے باعث بوسیدہ نہیں ہو سکتے۔"

مدحیہ اشعار کی تعریف ان الفاظ سے بہتر اور کس طرح ادا کی جا سکتی ہے۔

آپ کی قوتِ حفظ کا دائرہ شعر و سخن کے سوا دیگر اصنافِ علم کو بھی محیط تھا۔ رسول اللہ صلعم کی جو احادیث آپ سے مروی ہیں ان کی تعداد دو ہزار سے اوپر ہے۔ یہ اشعار مختلف مسائل کے متعلق ہیں۔ ان میں شرعی احکام بھی بیان ہوئے ہیں اور اخلاقی نصائح بھی۔ نفسیاتی مسائل کا ذکر بھی موجود ہے اور دینی اصولوں اور عبادات کی تفصیل بھی۔

حضرت عائشہ رض کا علم صرف احادیث کو یاد رکھنے تک محدود نہ تھا بلکہ آپ ہر حدیث کی باریکیوں اور علمی و فقہی موشگافیوں سے بھی پوری طرح آگاہ تھیں اور حسبِ ضرورت انہیں بیان کرتی رہتی تھیں۔

ابو موسےٰ اشعری کہتے ہیں کہ "ہمیں جب کسی مسئلے کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش آتی تو ہم حضرت عائشہ رض کے پاس چلے جاتے اور ان سے زیر بحث مسئلے کے متعلق دریافت کرتے۔ وہ نہایت عالمانہ طریقے سے اس مسئلے کے مالہٗ و ما علیہ سے ہمیں آگاہ کر دیتیں۔

عطا بن ابی رباح کہتے ہیں۔

حضرت عائشہ رض ہم میں سب سے زیادہ فقیہہ، عالم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔

مسروق ہمدانی ذکر کرتے ہیں :

"میں نے جلیل القدر اور اکابر صحابہ کو حضرت عائشہ رض سے میراث کے مسائل دریافت کرتے دیکھا ہے۔"

عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں :

"میں نے حلال و حرام کے مسائل، علوم و فنون، شعر اور طب میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی باخبر نہیں دیکھا"

رسول اللہ صلعم سے بھی اس قسم کی احادیث منسوب کی جاتی ہیں کہ آدھا دین "حمیرا" سے سیکھو۔ گو ان احادیث کی سند رسولِ خدا صلعم سے ثابت نہیں تاہم اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں نے احادیث اور علمِ دین کا بہت بڑا حصہ حضرت عائشہؓ کے ذریعے معلوم کیا ہے اور یقیناً اس خصوصیت میں وہ تمام صحابہؓ سے بڑھی ہوئی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح حضرت عائشہؓ کو زمانہ جاہلیت کے واقعات اور قبائل و افراد کے حسب نسب بھی ازبر یاد تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے علاوہ دیگر اقوام و ملل کے حالات و واقعات سے بھی انہیں گہری واقفیت تھی اور بہت تفصیل سے ان کا ذکر کیا کرتی تھیں۔ منجملہ دیگر واقعات کے ایک واقعہ کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

کفارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر جب بعض مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو اہلِ مکہ نے ایک وفد انہیں سزا دلانے اور واپس مکہ لانے کے لئے نجاشی شاہِ حبشہ کی طرف روانہ کیا۔ یہ وفد قسم قسم کے عمدہ تحفے لے کر نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا اور تحفے پیش کرکے مسلمانوں کو ان کے حوالے کرنے کی درخواست کی لیکن نجاشی نے تحفے قبول کرنے اور مسلمانوں کو کفارِ قریش کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

"جب اللہ تعالیٰ نے میرا ملک مجھے لوٹاتے وقت رشوت نہیں لی تو میں کیسے رشوت لے سکتا ہوں۔ اور جب لوگوں نے میری اطاعت نہیں کی اور میرے

مقابلے میں میرے دشمن کے ہاتھ مضبوط کئے تواب میں ان کی بات کیسے مان سکتا ہوں۔"

مسلمان حیران تھے کہ نجاشی کی ان باتوں کا کیا مطلب ہے۔ جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

"نجاشی کو اس کے حریفوں کی طرف سے سخت تکالیف پہنچ چکی ہیں۔ ایک درباری امیر نے سازش کرکے اس کا تخت و تاج خود ہتھیا لیا اور اسے غلام بنا کر کسی دور دراز علاقے میں بیچ ڈالا۔ لیکن بعد میں حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ نجاشی کو اپنا کھویا ہوا تخت و تاج دوبارہ حاصل ہوگیا۔ نجاشی نے دیگر بادشاہوں کے برعکس اپنے اندر خود سری نہ پیدا ہونے دی بلکہ غریبوں اور مظلوموں کی مدد کرنا اپنا شیوہ بنا لیا۔ مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کے بعد قریش مکہ کا وفد اس کے دربار میں پہنچا اور درخواست کی کہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کے درباریوں نے بھی قریش کی اس درخواست کی حمایت کی اور بادشاہ پر زور دیا کہ وہ مسلمانوں کو ان لوگوں کے حوالے کر دے لیکن نجاشی نے نہ صرف ان کی اور اپنے درباریوں کی درخواست بپائے حقارت ٹھکرا دی بلکہ قریش کا وفد جو تحفے لے کر آیا تھا انہیں بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا۔

"جب اللہ تعالیٰ نے میری بادشاہت مجھے واپس کرتے وقت رشوت نہیں لی تو میں کس طرح رشوت لے سکتا ہوں اور جب لوگوں نے میری اطاعت نہیں کی، اور میرے مقابلے میں میرے دشمن کے ہاتھ مضبوط کئے تواب میں ان کی بات کیسے مان سکتا ہوں۔""

چنانچہ وفد خائب و خاسر ہو کر مکہ واپس آگیا۔

مذکورہ بالا روایت نہ معلوم کس حد تک صحیح ہے، ہمیں تاریخی لحاظ سے اس کی

چھان بین کی ضرورت نہیں ۔یہ واقعہ ذکر کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت عائشہ رض کو اقوام وملل کے حالات پر کتنا عبور حاصل تھا اور کس طرح وہ جزوی باتوں کو بھی اپنے ذہن میں محفوظ رکھتی تھیں۔

حضرت عائشہ رض کو زبان پر بھی بے پناہ قدرت حاصل تھی جس وقت وہ تقریر کرنے کھڑی ہوتیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ سے فصاحت و بلاغت کا چشمہ اُبل رہا ہے اور تشبیہہ واستعارات کا دریا امڈا چلا آرہا ہے۔ ذیل میں انکے خطبوں کے چند نمونے دیئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوسکے گا کہ حضرت عائشہ رض کو زبان پر کس قدر عبور حاصل تھا۔

جنگِ جمل کے دوران ایک خطبے میں اپنے والد کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

وابی ثانی اثنین اللہ ثالثھما، واول من سمی صدیقًا، مضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو عنہ راض، وقد طوقہ وھق الامامۃ ثم اضطرب حبل الدین فاخذ بطرفیہ وربق لکم اثناءہ فوقذ النفاق وغاض نبع الودۃ واطفاء ماحشت یہود، وانتم یومئذ جحظ العیون تنتظرون العدوۃ و تستمعون الصیعۃ فرأب الشاۓ وارزم الستقاء وامتاح من الھراۃ واحتھر دفن الرواء حتی أعطن الوارد وأورد الصادر، وعلی الناھل فقبضہ اللہ واطئا علی ھام النفاق مذکیا نا والحرب للمشرکین، فانتظمت طاعتکم بحبلہ فولی امرکم رجلا مرعیا اذا رکن علیہ، بعید ما بین

الابنتین عرکة بلاذاہ بجنبہ صفوحًا عن اذاة الجاھلین یقظان اللیل فی نصرۃ الاسلام ۵"

"میرا باپ وہ جلیل القدر انسان تھا جسے غارِ ثور میں رسول اللہ صلعم کی مصاحبت کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت میرے باپ کے علاوہ رسول اللہ کے پاس اگر کوئی اور ذات تھی تو اللہ تعالیٰ کی۔ سب سے پہلے جس شخص کو "صدیق" کے خطاب سے سرفراز کیا گیا وہ بھی میرا باپ ہی تھا۔ رسول اللہ صلعم اپنی وفات کے وقت اس سے بہت خوش تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امت کی امامت اسی کے سپرد کی گئی۔ اس وقت اسلام کے عالی منار میں تزلزل برپا ہوگیا۔ میرا ہی باپ تھا جس نے اسے سنبھالا۔ میرا ہی باپ تھا جس نے نفاق کو بڑھنے سے روکا، ارتداد کا سرچشمہ خشک اور یہودیوں کی سیہ کاری کا قلع قمع کر دیا۔ تم اس وقت آنکھیں بند کئے فتنہ وفساد کے منتظر تھے اور شور وغوغا پر گوش برآواز تھے۔ اس وقت صرف اسی کی شخصیت تھی جس نے دین کی دیواریں پڑے ہوئے رخنوں کو درست کیا۔ گرتوں کو سنبھالا۔ دلوں کی پوشیدہ بیماریوں کو دور کیا۔ سیراب ہونے والوں کو ان کی منزلِ مقصود تک پہنچایا۔ پیاسوں کو گھاٹ پر لاکر سیراب کیا اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پانی پلایا۔

جب اس کے ذریعے نفاق کا سر کچلا جا چکا۔ مشرکین کے مقابلے میں لڑائی کی آگ بھڑکائی جا چکی تو اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔ دنیا سے رخصت ہوتے وقت وہ ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا گیا جو مسلمانوں کا انتہائی خیرخواہ اور حقیقی طور پر ان کا محافظ تھا۔ مسلمانوں کے لئے اس کا دل اس قدر کشادہ تھا جیسے دو پہاڑیوں کا درمیانی فاصلہ۔ وہ موذی دشمنوں کا سر توڑنے والا اور جاہلوں سے درگذر کرنے والا تھا۔ اسلام کی تائید ونصرت کے لئے راتوں کو جاگنا اس کا شیوہ بن چکا تھا۔

ایک اور خطبے میں اپنے والد کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہا:

رحمك الله یا ابت انلئن اقاموا الدنیا لقد أتممت الدین حین وهی شعبه، وتفاقم صدعه، ورجفة جوانبه، انقبغت عما الیه أصغو، وشمرت فیما عنه ونوا، واستصغرت من دنیاك ما اعظموا، ورغبت بدینك عما اعقلوا، طالوا عنان الامر واقتعدت مطی الحذر، فلم تهضم دینك ولم تنس عذك ففاز عند المساهمة قل حث وخف مما استوزر واظهرك ٥

"اباجان! اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں اور افضال فرمائے دوسرے لوگوں نے دنیا کمانے میں اپنی جد وجہد صرف کر دی لیکن آپ ہمہ تن دینی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے دین کو اس وقت مضبوط بنیادوں پر قائم کیا جب اس میں کمزوری رہ پا چکی تھی، اس میں دراڑ پڑ چکی تھی اور اس کی دیواریں پھٹ چکی تھیں، بے راہرو لوگوں نے جن کاموں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی آپ نے ان سے کنارہ کشی اختیار کی اور جن امور میں انہوں نے کمزوری دکھائی انہیں سر انجام دینے کے لئے آپ نے کمرِ ہمت کس لی۔ انہوں نے دنیا کو ترجیح دی مگر آپ نے اسے انتہائی حقیر شے سمجھتے ہوئے ترک کر دیا۔ وہ دین سے غافل ہو گئے لیکن آپ نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ شوخی اور شرارت میں بڑھتے چلے گئے مگر آپ نے استغفار کو اپنا ورد اور خوفِ خدا کو حرزِ جان بنا لیا۔ وہ آخرت سے غافل ہو گئے لیکن آپ کے دل میں ہمیشہ خدا کے دربار میں حاضر ہونے کا خیال جاگزین رہا اور آپ ایک لمحہ کے لئے بھی آخرت کو فراموش نہ کر سکے۔ ان کے مقابلے میں آپ ہی کا بول بالا رہا۔ اور جو بوجھ انہوں نے آپ کی کمر پر ڈال دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسے

ہلکا کر کے آپ کو اطمینان بخشا۔"

والدہ کی وفات کے بعد وہ ان کے مزار پر آئیں اور وہاں کھڑے ہو کر اس طرح ان کی تعریف کی۔

نضر اللہ وجھک وشکر لک صالح سعیک، فلقد کنت الدنیا مذلا باعراضک عنھا، وللآخرۃ معزا باقبالک علیھا، ولئن کان اجل الحوادث بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ذرولک واعظم المصائب بعدہ فقدک ان کتاب اللہ لیعد والعزاءک حسن العوض منک، فانا اشجز من اللہ موعودہ فیک بالصبر علیک واستعیضہ منک، بالدعاء لک۔ فانا اللہ وانا الیہ راجعون، و علیک السلام ورحمۃ اللہ تودیع غیر قالیۃ، لعیانک ولا زاریۃ علی القضاء فیک۔

"اللہ تعالےٰ آخرت میں آپ کے چہرے کو تروتازہ رکھے اور دین اسلام کے استحکام کے لئے جو عظیم کوششیں آپ نے کیں ان کا بہترین بدلہ آپ کو دے۔ دنیا سے اعراض کر کے آپ نے اسے ذلیل کر دیا اور آخرت کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کر کے اس کے لئے عزت کا سامان پیدا کر دیا۔ رسول اللہ صلعم کے بعد سب سے دردناک حادثہ آپ کی وفات کا ہے اور آپ کا اس دنیا سے اُٹھ جانا حضورؐ کے بعد سب سے بڑی مصیبت ہے۔ کتاب اللہ میں مصیبت پر صبر کرنے والوں کے لئے بڑے بڑے انعامات اور افضال کا وعدہ کیا ہے اس لئے میں اس مصیبتِ عظیم پر صبر کر کے اللہ کے انعامات اور افضال کی امیدوار ہوں۔ جزع فزع کرنے کی بجائے میں خدا سے دعا کرتی ہوں کہ وہ آپ پر

سلامتی اور رحمت نازل فرمائے اور آپ کو اپنی بخشش کی چادر میں ڈھانپ لے۔ وانا للہ وانا الیہ راجعون ۔ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ! ۔ خدا کے سپرد اے پاک نفس! جس کی زندگی ہمارے لئے مسرت کا موجب تھی اور جس کی جدائی ہمارے لئے عظیم حادثہ کا پیغام لائی ہے۔"

جہاں تک فی البدیہہ خطبات کا تعلق ہے' ایسے موقعوں پر حضرت عائشہؓ چھوٹے چھوٹے لیکن دل میں کھب جانے والے فصیح وبلیغ اور مسجع ومقفیٰ دلکش فقرے استعمال کرتی ہیں لیکن جب ازدواجی زندگی کا حال بیان کرتی ہیں تو آسان اور سادہ اسلوب اختیار کرتی ہیں، لیکن عبارت میں دل کشی اور فصاحت و بلاغت اس وقت بھی قائم رہتی ہے۔ چنانچہ اپنے رخصتانہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتی ہیں:

تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا ابنۃ ست سنین فقدمنا المدینۃ فنزلنا فی بنی الحارث بن الخزرج فوعکت فتمزق شعری فوفی جمیعۃ فاتتنی امی ام رومان وانی لفی ارجوحۃ ومعی صواحب لی وصرخت لی فاتیتہا لا ادری ماترید بی! فاخذتنی بیدی حتی اوقفتنی علی باب الدار وانی لانہج حتی سکن بعض نفسی، ثم اخذت شیئاً من ماء فمسحت بہ وجھی ورأسی، ثم ادخلتنی الدار فاذا نسوۃ من الانصار فی البیت فقلن علی الخیر والبرکۃ وعلی خیر طائر فاسلمتنی الیھن یصلحن من شانی فلم یرعنی الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحی فاسلمتنی الیہ وانا یومئذ

بنت تسع سنین۔"

"رسول اللہ صلعم سے میرا نکاح چھ سال کی عمر میں (مکہ میں ہوا تھا) جب ہم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو بنوالحارث بن خزرج کے محلہ میں اترے۔ وہاں مجھے بخار آنے لگا جس سے میرے سر کے تمام بال جھڑ گئے۔ سات آٹھ ماہ کے بعد رخصت کی تقریب عمل میں آئی۔ مجھے پہلے سے کچھ معلوم نہ تھا۔ ایک دن میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ میری والدہ ام رومان نے مجھے آواز دی میں ہانپتی ہوئی ان کے پاس پہنچی۔ انہوں نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر گھر کے دروازے میں کھڑا کر دیا۔ جب میرا سانس ٹھیک ہوگیا تو انہوں نے پانی سے میرا ہاتھ منہ دھویا۔ اس کے بعد مجھے لے کر گھر میں گئیں۔ وہاں انصار کی کچھ عورتیں موجود تھیں: انہوں نے دعائیہ فقروں سے میرا خیر مقدم کیا۔ میری والدہ نے مجھے ان کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے مجھے دلہن بنایا۔ دن چڑھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میرے والدین نے مجھے ان کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اس وقت میری عمر نو برس کی تھی۔"

حضرت عائشہ رضؓ کو جس خداداد قابلیت، فہم و فراست، ذکاوت اور فطانت سے حصہ ملا تھا اس کا مختصر سا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ وہ ہمہ فن مولا تھیں۔ علم طب میں بھی انہیں دسترس حاصل تھی۔ علم الانساب سے بھی انہیں حصہ وافر ملا تھا، فن شعر کی ماہر ہونے کے لحاظ سے عرب کے بہت کم لوگ ان کے ہم پلہ تھے۔ علوم دینیہ میں عبارت کے لحاظ سے تو کوئی شخص بھی ان کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں علم فلکیات سے بھی دلچسپی تھی اور ان کی حیرت انگیز قابلیت کو دیکھتے ہوئے اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

یوں تو حضرت عائشہ رضؓ کو ابتدائے عمر ہی سے فہم و فراست کا ملکہ ودیعت ہو چکا تھا لیکن رسول اللہ صلعم کی پاک صحبت نے اس فطری ملکہ کو مزید جلا بخشی۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مروجہ اسلامی اور معاشرتی علوم میں حضرت عائشہ رضؓ نے جو مقام حاصل کیا۔ ان کے ہم عصر اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔

ازدواجی زندگی

حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلعم کی سب سے پہلی اور محبوب ترین بیوی تھیں انکے ساتھ حضورؐ نے ۲۵ سال گزارے اور ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ خدیجہؓ ۴۰ سال کی عمر میں رسول اللہ صلعم کے عقد میں آئی تھیں اور ۶۵ سال کی عمر میں عالم جاودانی کو سدھاریں۔

حضرت خدیجہؓ کا انتقال سنہ ۱۰ نبوی میں ہوا۔ ان کی وفات سے رسول اللہ صلعم کو سخت صدمہ ہوا۔ خدیجہؓ سے محبت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد جس کثرت اور تواتر سے حضورؐ نے ان کا ذکر کیا ہے اور کسی کا نہیں کیا۔ خدیجہؓ کی وفات والا سال آج تک تاریخ اسلام میں بجا طور پر "عام الحزن" کہلاتا ہے۔ کیونکہ جو قلق سرور کائنات کو ان کی وفات سے ہوا تھا، وہ آخر وقت تک دور نہ ہوسکا۔ جب کبھی ان کی یاد آجاتی تو حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے اور بڑی رقت اور درد سے آپ ان کا ذکر فرماتے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے چند سال بعد حضرت عائشہؓ آپ کے عقد نکاح میں آئیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں میں بعض حیرت انگیز مشابہتیں

پائی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلعم کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو بھی ایسی ہی بیویوں کی ضرورت تھی جو دعوت و تبلیغ کے مختلف ادوار میں جانفشانی سے آپ کی خدمت کرسکیں۔ اور ہر طرح آپ کی معاون اور مددگار ثابت ہوں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ والد کی وفات تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہوچکی تھی لیکن والدہ کا سایہ بھی زیادہ دیر تک سر پر نہ رہا اور وہ بچپن ہی میں آپ کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص منشا اور تصرّف کے ماتحت خدیجہ رضؓ جیسی پاک باز اور غمگسار خاتون کو آپؐ کے لئے چنا۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہ رضؓ نے جس دلسوزی سے آپ کی دلدہی کی اس سے ان تمام مصائب اور صدمات کا مداوا کر دیا، جو یتیمی کی حالت میں آپ کو اٹھانے پڑے تھے۔ نبوت کے دعوے کے ساتھ ہی مصائب کا پہاڑ رسول مقبول صلعم پر ٹوٹ پڑا۔ کسی قسم کی ایذا نہ تھی جو بدنہاد مشرکین نے حضورؐ کو نہ پہنچائی ہو اور مخالفت کا کوئی دقیقہ نہ تھا جو قریش نے فروگذاشت کیا ہو۔ اس حالت میں جبکہ مکہ کا چپہ چپہ حضورؐ کا دشمن ہو رہا تھا اور آپ پر بدترین قسم کے مظالم ڈھائے جا رہے تھے، اگر کسی نے حضورؐ کی کامل رفاقت کا ثبوت دیا تو وہ حضرت خدیجہ رضؓ تھیں۔ انہوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ رسول اللہ صلعم اور اسلام کے لئے قربان کر دیا اور اس دلسوزی اور جانفشانی سے آپ کی خدمت کی کہ اس کے سامنے حضورؐ کو کفار کے مظالم کا احساس تک جاتا رہا اور آپ بہ اطمینان کامل تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے کام میں مصروف رہے۔

حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہجرت کا واقعہ پیش آیا اور حضورؐ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے۔ مکی دور تبلیغ و اشاعت کا دور تھا۔ اس کام میں

مدد دینے کے لئے حضرت خدیجہؓ سے بہتر رفیق حضورؐ کو اور کوئی نہ مل سکتا تھا۔ مدنی دور تعلیم و تلقین کا عہد تھا اور اس کام میں آپ کا ہاتھ بٹانے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے عائشہؓ جیسی ذہین و فطین خاتون کو چنا وہ جس طریقے سے رسول اللہ صلعم کے عقد میں آئیں اس سے بھی اس امر کا چلتا ہے کہ اس نکاح میں اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت کام کر رہی تھی چنانچہ ذیل کی روایت اس کی تصدیق کرتی ہے۔

شادی کے بعد رسول اللہ صلعم نے عائشہؓ سے فرمایا۔ مجھے دو بار تمہاری صورت خواب میں دکھائی گئی اور وہ اس طرح کہ ایک فرشتہ ریشم میں لپٹی ہوئی ایک تصویر میرے پاس لایا اور کہا "یہ آپ کی بیوی ہے"۔

میں نے کپڑا اٹھایا تو تمہاری تصویر دکھائی دی، یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ شادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے تو وہ اس کے سامان آپ پیدا کرے گا

اس وقت تک رسول اللہ صلعم کو حضرت عائشہؓ سے نکاح کرنیکا خیال تک پیدا نہ ہوا تھا۔ ایسی حالت میں دو بار حضرت عائشہؓ کا خواب میں دکھایا جانا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تفہیم ہونا کہ یہی آپ کی ہونیوالی بیوی ہیں، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شادی اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت اور تصرف کے ماتحت ہوئی۔ وہ ایک ایسی ہستی کو اپنے رسول کی رفاقت کے لیئے چننا چاہتا تھا جس کے ذریعے آئندہ کے لئے امت کی تعلیم و تربیت کا سامان ہو سکے اور حضرت عائشہؓ نے یہ کام جس خوبی اور عمدگی سے انجام دیا اسے دنیا جانتی ہے۔

نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کس طرح شروع ہوا؟ اس کے متعلق کتب احادیث میں مندرجہ ذیل روایت آئی ہے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلعم بہت مغموم اور پژمردہ رہتے تھے۔ مشہور جلیل القدر صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم کو حضو

کی یہ حالت دیکھ کر بہت رنج ہوتا تھا۔ آخر ایک دن انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔

"یارسولؐ اللہ! آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

حضورؐ نے پوچھا۔

"کس سے کروں؟"

انہوں نے جواب دیا

"اگر چاہیں تو کنواری سے ہو سکتی ہے۔ اور اگر بیوہ کا خیال ہو تو اس سے بھی ممکن ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزید استفسار پر انہوں نے کہا۔ کنواری لڑکی تو آپ کے سب سے پیارے دوست کی لڑکی عائشہؓ ہے اور بیوہ سودہ بنت زمعہ ہیں۔ حضورؐ نے انہیں دونوں جگہ سلسلہ جنبانی کرنے کا ارشاد فرمایا۔

تعمیل ارشاد میں وہ حضرت عائشہؓ کی والدہ ام رومان کے پاس پہنچیں، اور انہیں عائشہؓ کے لیئے رسول اللہ صلعم کا پیغام دیا۔ ام رومان نے کہا۔ میں ابو بکر سے پوچھ کر جواب دوں گی۔ چنانچہ جب حضرت ابو بکرؓ گھر میں تشریف لائے۔ تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کا ذکر کیا۔ حضرت ابو بکرؓ کا خیال تھا کہ چونکہ ان کے رسول اللہ صلعم کے درمیان مواخاۃ کا سلسلہ قائم ہے اس لیئے آپس میں بیاہ شادی بیاہ کا تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ حضور کا پیغام سن کر اسی خیال کے زیر انہوں نے کہا۔ عائشہ تو ان کی بھتیجی ہیں۔ بھتیجی سے نکاح کس طرح ہو سکتا ہے؟ جب خولہ نے یہ بات رسول اللہ صلعم کو جا کر بتائی تو حضورؐ نے فرمایا۔

ابو بکر سے جا کر کہہ دو کہ تم میرے دینی بھائی ہو اور یہ تعلق شادی بیاہ کے معاملات میں حارج نہیں۔

تاہم ابھی تک کسی شخص کو پورا یقین نہ تھا کہ عائشہ ضرور رسول اللہ صلعم کے عقد میں آجائیں گی، وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے ہی سے جبیر بن مطعم بن عدی سے، جو ہنوز حالت کفر پر قائم تھا، منسوب ہو چکی تھیں، اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ وعدے کی خلاف ورزی برداشت نہ کر سکتے تھے، چنانچہ پہلے انہوں نے جبیر کی طرف سے معاملہ صاف کر لینا چاہا، وہ اس کے والدین سے ملے اور نسبت کے متعلق دریافت کیا۔ مطعم نے اپنی بیوی سے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

وہ حضرت ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی۔

اگر ہم نے اپنے لڑکے کا نکاح تمہاری لڑکی سے کر دیا تو تم ہمارے لڑکے کو صحابی تو نہیں بناؤ گے، اور اپنے دین میں تو اسے شامل نہیں کرو گے۔

حضرت ابو بکرؓ نے اسے تو کوئی جواب نہ دیا بلکہ مطعم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"تم کیا کہتے ہو؟"

مطعم نے اس کے سوا اور کچھ نہ کہا کہ میری بیوی نے جو کچھ کہا ہے وہ تم نے سن ہی لیا ہے اب تمہارے جواب پر ہمارے آئندہ رویہ کا انحصار ہے۔

اب حضرت ابو بکرؓ کو جبیر سے نسبت توڑنے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلعم کا پیغام قبول کر لیا اور ہجرت سے تین سال قبل شوال سنہ نبوی میں حضرت عائشہ کے نکاح چار سو درہم حق مہر پر حضور کے ساتھ ہو گیا۔

نکاح اور رخصت کی تفصیلات کے بارے میں تو مورخین میں اختلاف نہیں البتہ اس امر میں ضرور اختلاف ہے کہ نکاح اور رخصت کس عمر میں ہوا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ رخصت کے وقت حضرت عائشہ کی عمر نو برس کی تھی۔ لیکن

بعض کا خیال ہے کہ نو سے کئی برس زیادہ تھی۔

جس قوم میں لکھنے پڑھنے اور واقعات کے ریکارڈ رکھنے کا رواج نہ ہو، اس میں اس قسم کے اختلافات بالعموم رونما ہوتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عرب کے بہت کم اشخاص ایسے ہیں جن کے سنہ ولادت، سنہ وفات، سنہ نکاح کے متعلق دو دو تین تین روایات مروی ہیں، اور موجودہ زمانے کے مورخ کے لیئے کوئی قطعی رائے قائم رکھنا بیحد دشوار ہے۔

ہمارے نزدیک قرین قیاس امر یہ ہے کہ رخصت کے وقت حضرت عائشہ رضی کی عمر بارہ سے کسی طرح کم اور پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ چنانچہ ابن سعد کی بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی کا نکاح نو یا سات برس کی عمر میں ہوا۔ رخصت بیشتر روایات کے بموجب نکاح کے پانچ سال بعد ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے رخصتانہ کے وقت حضرت عائشہ کی عمر ۱۲ سے ۱۵ سال تک ہی بنتی ہے۔

چھ سال کی عمر میں نکاح ہونا قرین قیاس نہیں ہے، کیونکہ خولہ رضی بنت حکیم نے رسول اللہ صلعم سے حضرت عائشہ رضی کا ذکر جبھی کیا ہوگا جب وہ عام اندازے کے مطابق نکاح کے قابل ہو گئی ہوں گی۔ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے کہ وہ حضورؐ کو ایک ایسی بچی سے نکاح کرنے کا مشورہ دیتیں جسے چار پانچ سال بعد جا کر نکاح کے قابل ہونا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلعم کے حزن والم کو دیکھ کر شادی کرنے کی رائے دی تھی، اور ان کا منشا ہرگز یہ نہ تھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام چار پانچ سال بعد عائشہ رضی سے شادی کریں۔

اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے اور اس سے بھی ہمارے تائید ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلعم نے حضرت عائشہ رضی کے لیئے سنہ نبوی میں پیغام دیا تھا اس سے پہلے وہ جبیر بن مطعم سے منسوب تھیں۔ جبیر سے نسبت کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں

ایک تو یہ کہ یہ نسبت نکاح کی عمر کو پہنچنے کے بعد یا نو یا دس برس کی عمر میں ہوئی ہو۔ لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ اس وقت دونوں خاندانوں میں مذہبی اختلاف موجود تھا اور ایک مسلمان لڑکی کافر سے کسی طرح نہ بیاہی جا سکتی تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عام رواج کے مطابق یہ نسبت بچپن میں ہوئی ہو، اگر نکاح کے وقت حضرت عائشہ کی عمر ۶ یا ۷ برس کی مانی جائے تب بھی یہ ماننا پڑے گا۔ کہ جبیر کے ساتھ نسبت بھی بعثت نبوی کے بعد ہوئی تھی حالانکہ ایسا ہونا ناممکن ہے کیوں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اولین مسلمانوں میں تھے۔ اور جبیر بن مطعم کا گھرانہ اسلام کی نعمت سے محروم تھا۔ اب صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جبیر اور حضرت عائشہؓ کی نسبت اسلام سے قبل بچپن میں ہوئی ہو۔ اس طرح رسول اللہ صلعم سے نکاح کے وقت ان کی عمر بہرحال دس۱۰ سال سے زائد بنتی ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ خود حضرت عائشہ اپنی عمر کم بتاتی ہیں تو جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ اس زمانہ میں نہ تو لکھنے پڑھنے کا رواج تھا اور نہ پیدائش وغیرہ کا کوئی ریکارڈ رکھا جاتا تھا حضرت عائشہؓ کو لوگوں کی زبانی جو کچھ معلوم ہوا وہ انہوں نے بیان کر دیا لیکن صحیح تعین وہ خود بھی نہیں کر سکتی تھیں، چونکہ عورت کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ اسے اپنی عمر کم معلوم ہوتی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کو بھی نسوانی خصوصیات سے حصہ وافر ملا ہوا تھا اس لیئے انہوں نے بھی نکاح کے وقت اپنی عمر کم ہی خیال کی ہو گی حضرت عائشہؓ کو تو اپنے بچپن کے زمانے سے اتنی دلچسپی تھی کہ وہ مزے لے لے کر اس زمانے کے واقعات کا تذکرہ کیا کرتی تھیں۔ اکثر احادیث میں ہمیں ان کی زبانی اس قسم کے فقرات ملتے ہیں۔

"میں اس زمانے میں نو عمر بچی تھی"۔

"میں اس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے قرآن کا بہت تھوڑا حصہ یاد تھا"۔

بہرحال ہماری پختہ رائے یہی ہے کہ رخصت کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۲سال سے کم اور پندرہ سال سے زائد نہ تھی۔ مستشرقین کم سن بچی سے شادی کرنے کا الزام لگا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے گندے اور ناپاک اعتراضات کا ہدف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے پیش کردہ نظریے کو تسلیم کر لینے کے بعد ان اعتراضات کی بنیاد ہی قائم نہیں رہتی۔

حضرت عائشہؓ کی ازدواجی زندگی کا آغاز بہت خوش اسلوبی سے ہوا اور وہ ماں باپ سے رخصت ہو کر ایک شفیق شوہر کے زیر عاطف آگئیں، ان کی ازدواجی زندگی کا کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں جو خود ان کی زبانی کتب سیر و احادیث میں موجود نہ ہو لیکن ان واقعات کو پڑھتے ہوئے ہمیں ایک فقرہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس سے مترشح ہو کہ بالکل نئی زندگی میں قدم رکھتے وقت حضرت عائشہ نے کسی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار کیا تھا رسول اللہ صلعم نے ابتدا ہی سے جس محبت اور الفت کا سلوک ان سے کیا اور جس لطف و عنایت سے پیش آئے، اس کے سامنے ماں باپ کی محبت اور لطف و عنایت بھی ہیچ نظر آنے لگی۔

بچپن کا زمانہ تھا شوہر کے گھر آ کر بھی ان کا محبوب مشغلہ یعنی گڑیوں کا کھیل بدستور جاری رہا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیاں کھیل رہی ہوتیں کہ رسول اللہ صلعم تشریف لے آتے۔ سہیلیاں حضورؐ کو دیکھ کر ادھر اُدھر چھپ جاتیں لیکن حضورؐ ایک ایک کو پکڑ کر عائشہؓ کے پاس لے آتے اور فرماتے:

"کھیلو ڈرتی کیوں ہو؟"

بھولپن کی یہ حالت تھی کہ واقعہ افک کے وقت رسول اللہ صلعم کے دریافت فرمانے پر ان کی لونڈی بریرہ نے بیان کیا کہ مجھے عائشہ میں کوئی عیب نظر نہیں

آتا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ کم سن ہیں۔ آٹا گوندتی ہیں اور بے خبر سو جاتی ہیں بکری آتی ہے اور آٹا کھا جاتی ہے۔

رسول اللہ صلعم بھی ان کے دل بہلانے کا سامان کرتے رہتے تھے جو صحابہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف اللہ کے رسول کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور حضورؐ کی دیگر حیثیتیں ان سے پوشیدہ تھیں انہیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوتا تھا ایک دفعہ عید کے دن حضرت ابوبکرؓ عائشہؓ کے حجرے میں آئے اس وقت ان کے پاس دو لڑکیاں بیٹھی بعض اشعار گا رہی تھیں اور رسول اللہ صلعم قریب ہی کپڑا اوڑھے لیٹے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر بہت غصہ آیا اور چیخ کر فرمانے لگے

"رسول اللہ صلعم کے پاس یہ شیطانی کام؟"

رسول اللہ صلعم نے اپنے منہ سے کپڑا اٹھایا اور فرمانے لگے۔

ابوبکر جانے دو عید کا دن ہے لڑکیاں اپنا دل بہلا رہی ہیں۔

ایک مرتبہ عید کے روز سوڈان کے بعض حبشیوں نے مسجد نبوی کے صحن میں نیزہ بازی کے کرتب دکھانے شروع کئے رسول اللہ صلعم حجرے میں تشریف فرما تھے آپ نے عائشہؓ سے پوچھا۔

"حبشیوں کا کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟"

انہوں نے رضامندی ظاہر کردی وہ خود اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ صلعم حجرے کے دروازے میں کھڑے ہو گئے اور میں حضورؐ کی اوٹ میں کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے لگی، جب تھک گئی تو حضورؐ نے کہا۔ "اچھا اب جاؤ"

ایک بار حضرت ابوبکر حجرے کے قریب سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے

اپنی بیٹی کو رسول اللہ صلعم سے آواز بلند گفتگو کرتے سنا وہ غصہ کی حالت میں حجرے میں داخل ہوئے اور اس گستاخی کی سزا دینے کے لیئے بیٹی کو تھپڑ مارنا چاہا لیکن رسول اللہ صلعم نے درمیان میں کھڑے ہو کر انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ جب وہ باہر چلے گئے تو آپ نے عائشہ سے فرمایا۔

کیا یاد کرو گی، آج میں نے تمہیں پٹنے سے بچالیا۔

اسی طرح ایک اور موقعہ پر حضرت ابو بکرؓ نے عائشہ کو رسول اللہ صلعم سے تیز اور تند گفتگو کرتے سنا، غصے میں بھرے ہوئے حجرے میں داخل ہوئے لیکن پھر واپس چلے گئے تھوڑی دیر بعد جب دوبارہ حجرے میں آئے تو دیکھا میاں بیوی میں صلح ہو گئی ہے۔ وہ کہنے لگے۔ کیا تم دونوں مجھے صلح میں بھی اسی طرح شریک کرلو گے جس طرح لڑائی میں شریک کیا تھا رسول اللہ صلعم نے فرمایا "کیوں نہیں"

حضرت عائشہؓ بھی اپنے مرتبے سے خوب واقف تھیں اور انہیں اس محبت کا خوب اندازہ تھا۔ جو رسول اللہ صلعم کے دل میں ان کے لیئے تھی، سرورِ کائنات نے سیاسی اور دینی وجوہ کی بنا پر کئی شادیاں کی تھیں اور خدائی احکام کی بنا پر آپ اپنی تمام بیویوں کے درمیان کامل مساوات قائم رکھتے تھے۔ لیکن محبت اور دلی میلان ایک طبعی امر ہے جسے مساوات کے تحت لانا ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ حضور فرمایا کرتے تھے

اے اللہ! جو چیز تو نے میرے اختیار میں دی ہے اس میں مساوات کا میں پورا خیال رکھتا ہوں لیکن جو چیز میرے اختیار سے باہر ہے اور اسے تو نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے اس کے بارے میں تو مجھے ملامت نہ کیجیو۔

رسول اللہ صلعم کو حضرت عائشہؓ سے جو الفت اور محبت تھی حضرت عائشہ کو نہ صرف اس کا حقیقی اندازہ تھا بلکہ وہ اکثر اس کے لیئے حضورؐ کے سامنے شکر اور اطمینان کے جذبات کا اظہار بھی کرتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے ان سے گیارہ

سہیلیوں کا قصہ بیان کیا جنھوں نے ایک جگہ جمع ہو کر اپنے خاوندوں کا تذکرہ کرنا شروع کیا اور لگی لپٹی نہ رکھی۔ اگر کسی کے خاوند میں کچھ خوبیاں پائی جاتی تھیں تو اس نے اُن کا اظہار کر دیا اور اگر کسی کے خاوند میں کچھ برائیاں راہ پا گئی تھیں تو اس نے بلا جھجک انہیں بیان کر دیا۔ گیارہویں عورت کا نام ام زرع تھا جسے اپنے خاوند سے بے حد محبت تھی اور دنیا کی تمام خوبیاں اسے اپنے خاوند میں نظر آتی تھیں۔ چنانچہ اس نے ان کا تذکرہ بہت الفت آمیز لہجے میں اپنی سہیلیوں کے سامنے کیا۔ یہ قصہ سن کر حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے کہا۔

اللہ کی قسم! آپ کا سلوک مجھ سے ایسا ہی ہے جیسا ام زرع کا ابوزرع سے تھا، بلکہ اس سے بھی بہت بہتر۔

سرورِ کائنات صلعم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ دیگر ازواج مطہرات پر اپنے تفوق اور برتری کا حال بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"مجھے دس باتوں کے باعث دیگر ازواج پر فضیلت حاصل ہے۔

۱۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے سوا اور کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔

۲۔ میرے سوا حضورؐ کی کوئی بیوی نہ تھی جس کے ماں باپ دونوں کو ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔

۳۔ اللہ تعالےٰ نے میری برئت آسمان سے نازل فرمائی۔

۴۔ جبرئیل میری تصویر ریشم کے پردے میں لے کر حضورؐ کے پاس آئے۔

۵۔ میں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے۔

۶۔ نمازِ تہجد کے وقت میں حضورؐ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور کسی بیوی کو

یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔

۷۔ میرے سوا اور کسی بیوی کے لحاف میں حضورؐ پر وحی نازل نہ ہوتی تھی۔

۸۔ وفات کے وقت حضورؐ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

۹۔ حضورؐ نے عین اس روز وفات پائی جب میری باری کا دن تھا۔

۱۰۔ حضورؐ میرے حجرے میں دفن کیے گئے۔

حضورؐ کی محبت اور الفت کو دیکھ کر صحابہؓ بھی اپنے تحفے اسی روز رسول اللہ صلعم کی خدمت میں بھیجتے تھے جب حضورؐ حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف فرما ہوتے تھے۔

اس سے بعض اوقات ازواج مطہرات کو رنجش بھی پیدا ہو جاتی تھی چنانچہ ایک بار انہوں نے حضرت ام سلمہؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر رسول اللہ صلعم کے پاس اس امر کی شکایت کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے ازواج کی شکایات کیں لیکن حضورؐ خاموش رہے۔ دوبارہ پھر بھیجا تب بھی حضورؐ نے کوئی جواب نہ دیا جب تیسری بار وہ اس سلسلے میں حضورؐ کے پاس آئیں تو آپؐ نے فرمایا۔

"مجھے عائشہؓ کے بارے میں ایذا نہ دو کیونکہ عائشہؓ کے لحاف کے سوا اور کسی بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔

حضرت فاطمہؓ سے رسول اللہ صلعم کو انتہائی محبت تھی۔ ایک مرتبہ اس خیال سے کہ حضورؐ ان کی بات کو کبھی رد نہیں فرماتے، ازواج مطہرات نے انہیں بھیجا۔ وہ آئیں اور کہنے لگیں۔

اباجان! آپ کی ازواج نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ آپ ابوبکرؓ کی بیٹی کے بارے میں مساوات سے کام لیں۔

حضورؐ نے یہ سن کر فرمایا:

"بیٹی! جسے میں پسند کرتا ہوں تم اسے پسند نہیں کرتیں؟
انہوں نے جواب دیا:
"کیوں نہیں؟"
حضورؐ نے فرمایا:
"میں عائشہؓ سے محبت کرتا ہوں، تم بھی ان سے محبت کرو۔"
ازواج مطہرات یہ تو برداشت کرسکتی تھیں کہ رسول اللہؐ صلعم عائشہؓ سے اپنی محبت کا اظہار دوسری بیویوں سے زیادہ کریں۔ لیکن عائشہؓ کا رسول اللہ صلعم سے اپنی محبت و الفت کا اظہار دوسری بیویوں سے زیادہ کرنا انہیں گوارا نہ تھا۔ ہر بیوی دوسری بیوی سے بڑھ کر رسول اللہ صلعم سے اپنی محبت و الفت اور دلی تعلق کا اظہار کرتی تھیں اور ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ اسے حضورؐ کا زیادہ سے زیادہ قرب نصیب ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اگر کسی بیوی کو کسی وجہ سے رسول اللہ صلعم سے خصوصی تعلق ہوتا تھا تو دوسری بیویاں اس پر رشک کیا کرتی تھیں۔
ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:
"تم میں سے جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے وہ مجھے آخرت میں سب سے پہلے ملے گی۔
یہ سن کر سب بیویوں نے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کئے اور ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ اس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں تاکہ آخرت میں اسے سب سے پہلے حضور سے ملاقات کا شرف حاصل ہو۔ اس وقت تو وہ نہ سمجھیں کہ لمبے ہاتھوں سے کیا مراد ہے لیکن حضرت زینب بنت جحشؓ کی وفات پر انہیں معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد صدقہ وخیرات اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ اس کے

بعد سب بیویاں زینب رضؓ پر رشک کیا کرتی تھیں کہ انہوں اپنے نیک اعمال اور صدقہ و خیرات کے سبب سب سے پہلے رسول اللہ صلعم سے جا ملنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

بایں ہمہ حضرت عائشہ رضؓ کی محبت کی شان بالکل نرالی تھی۔ دوسری ازواج یقیناً دل وجان سے رسول اللہ صلعم پر فدا تھیں لیکن جس حد تک حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے آپ کو حضورؐ سے وابستہ کر لیا تھا، اس کی نظیر دوسری بیویوں میں نہیں پائی جاتی تھی اور جو روحانی اور جسمانی تعلق حضرت عائشہ رضؓ کو حضورؐ کے ساتھ تھا وہ ان کی نسبت دوسری بیویوں میں بہت کم پایا جاتا تھا۔ وہ حضورؐ کی حرکات وسکنات کا بغور جائزہ لیتی رہتی تھیں اور حضورؐ کی باتوں کو نہ صرف شوق سے سنتی تھیں بلکہ ان کی جزئیات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ چنانچہ اس امر کا اندازہ اس حدیث سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے پوچھا۔

"حضورؐ کس طرح کلام فرمایا کرتے تھے؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"حضورؐ لوگوں کی طرح باتیں نہ کیا کرتے تھے بلکہ اس طرح کلام فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص چاہتا تو بآسانی حضورؐ کے کہے ہوئے الفاظ گن سکتا تھا۔"

یہ واقعہ اوپر گذر ہی چکا ہے کہ سخت گرمی کا موسم تھا اور حضورؐ کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا حضورؐ کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت عائشہ رضؓ نے عروہ بن زبیر رضؓ کے یہ اشعار پڑھے۔

ولو سمعوا فی مصر اوصاف خدہ　　لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لواحی زلیخا لو راین جبینہ

لآثرن بالقطع القلوب علی الایدی

(اگر اہلِ مصر آپ کے حسن کا شہرہ سن لیتے تو یوسف کی خریداری کے لئے کبھی اپنی پونجی خرچ نہ کرتے اور اگر زلیخا کی سہیلیاں آپ کی منور پیشانی کا جلوہ دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے دل ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو ترجیح دیتیں)

ایک خاوند کی دو یا دو سے زاید بیویوں میں منافست کا جو جذبہ طبعی طور پر موجود ہوتا ہے وہ حضرت عائشہؓ میں بھی تھا بعض اوقات رسول اللہ صلعم رات کے اندھیرے میں گھر سے باہر نکل جایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کہیں آپ کسی دوسری بیوی کے گھر تو نہیں چلے گئے آپ کے پیچھے پیچھے جایا کرتی تھیں ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم گھر سے نکلے، کچھ دیر بعد حضرت عائشہ کی آنکھ کھلی اور انہوں نے حضورؐ کو بستر پر نہ پایا تو وہ آپ کی تلاش میں باہر نکلیں۔ اتفاقاً وہ قبرستان کی طرف چلی گئیں۔ وہاں کیا دیکھتی ہیں کہ حضورؐ شہدا کے مزاروں پر کھڑے اور ان کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ واپس اپنے حجرے میں آگئیں اور اپنے دل میں کہا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ اپنے رب کی تلاش میں ہیں اور میں دنیا کی تلاش میں ہوں"

واپسی پر ان کا سانس پھول گیا تھا جب حضورؐ تشریف لائے تو دریافت فرمایا:

"عائشہؓ ہانپ کیوں رہی ہو؟"

انہوں نے جواب دیا:

"یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپ حجرے میں تشریف لائے لیکن آدھی رات کو اٹھ کر باہر چلے گئے۔ میرے جذبۂ رقابت نے انگڑائی لی اور میں اس خیال سے کہ کہیں آپ کسی بیوی کے گھر تو نہیں جا رہے، آپ کے

پیچھے پیچھے گئی لیکن میاں نے کسی بیوی کے گھر کا رخ کرنے کی بجائے آپ کو بقیع میں دعائیں مانگتے اور آہ وزاری کرتے دیکھا۔

ایسا ہی واقعہ ایک مرتبہ اور پیش آیا۔ رسول اللہ صلعم باہر نکلے حضرت عائشہ رض ان کے پیچھے پیچھے نکلیں، لیکن جب حضور م کو جنگل میں عبادت کرتے دیکھا تو شرمندہ ہو کر واپس ہو گئیں۔ رسول اللہ صلعم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

"عائشہ رض! تم میں بھی غیرت اور رقابت کا مادہ ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"یا رسول اللہ ص، کیوں نہیں؟ کیا مجھ جیسی عورت آپ جیسے خاوند کے معاملے میں بھی غیرت کا اظہار نہ کرے گی۔؟"

حضرت عائشہ رض اپنے بناؤ سنگھار کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ اکثر زرد اور سرخ رنگ کے کپڑے پہنے رہتی تھیں اور خوشبو لگا کر انہیں معطر رکھتی تھیں۔ یہ سب محض اس لئے تھا کہ وہ حضور ص کی توجہ منعطف کر سکیں۔

(۰)

دوسری بیویاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور خوشنودی کے حصول کے لئے بجا طور پر کوشاں رہتی تھیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس تمام جد وجہد کے باوجود حضرت عائشہ رض کو جو مقام حاصل تھا وہ کسی اور بیوی کو حاصل نہ تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تعلقات کے بارے میں ازواج مطہرات سے جو احادیث مروی ہیں ان کا تقابل کرنے کے بعد حضور ص سے ذہنی وابستگی اور قرب کا جو احساس حضرت عائشہ رض کی احادیث سے ہوتا ہے وہ دوسری بیویوں کی احادیث سے نہیں ہوتا۔ یہاں سوال احادیث کی قلت اور کثرت کا نہیں ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دوسری بیویوں کی نسبت

حضرت عائشہ رضؓ سے یقیناً بہت زیادہ احادیث مروی ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں رسول اللہ صلعم کی صحبت میں زیادہ وقت گزارنے کا موقعہ ملتا تھا البتہ جو امر حضرت عائشہ رضؓ کو دوسری ازواج سے ممتاز کرتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی احادیث سے حضورؐ کا سراپا اپنی صفائی سے ہمارے سامنے آجاتا ہے اور حضورؐ کے عادات واخلاق اور معمولات کا ایسا بیّن نقشہ ہمارے سامنے کھنچ جاتا ہے کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ ان احادیث کے لفظ لفظ سے اس گہری عقیدت، موانست اور قلبی تعلق کا پتہ ملتا ہے جو حضرت عائشہ رضؓ کو حضورؐ سے بطور ایک مشفق خاوند اور رسول کے تھا حضرت عائشہ رضؓ حضورؐ کے ارشادات اور اعمال کو سطحی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں بلکہ ان کی باریک بین اور دور رس نگاہ ایک ایک لفظ کے حقیقی مفہوم تک پہنچتی تھی۔ حضورؐ کی باتوں سے جو مطالب حضرت عائشہ نکال لیتی تھیں وہ ہر کہ ومہ کے بس کی بات نہ تھی۔

رسول اللہ صلعم سے عشق ومحبت کا یہ بلند مقام حضرت عائشہ رضؓ کو ایک دن میں حاصل نہیں ہوگیا بلکہ اس منزل تک پہنچنے میں ایک لمبا عرصہ لگا۔ شادی کے وقت ان کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی۔ اس وقت ان میں نہ تو رسول اللہ صلعم کی باتیں سمجھنے کی کامل اہلیت موجود تھی اور نہ قرآن کریم کے حقائق اور غوامض معلوم کرنے کا ملکہ، چنانچہ واقعہ افک کا ذکر کرتے ہوئے وہ خود کہتی ہیں۔

اس واقعہ کے وقت میں کم سن بچی تھی اور مجھے زیادہ قرآن بھی نہ آتا تھا۔

یہی نہیں بلکہ ان کی بے خبری کا یہ عالم تھا کہ انہیں پیغمبروں کے نام بھی ٹھیک ٹھیک یاد نہ تھے۔ چنانچہ اسی واقعہ کے ضمن میں وہ خود بیان کرتی ہیں کہ جب حضورؐ نے مجھ سے اس بہتان کے متعلق دریافت فرمایا تھا تو میں نے اپنے ذہن میں حضرت یعقوبؑ کا نام لانا چاہا لیکن مجھے ان کا نام یاد نہ آیا۔ آخر میں نے کہا "میں بھی وہی کہتی ہوں

جو حضرت یوسفؑ کے والد نے کہا تھا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون (صبر کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی میری مدد فرمائے گا)

تاہم بے خبری کی یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ حضورؐ کی توجہ اور تربیت نے آہستہ آہستہ رنگ لانا شروع کیا اور بالآخر آپ اس بوجھ کو اٹھانے کے پورے طور پر قابل ہو گئیں جسے اللہ تعالےٰ نے ام المومنین ہونے کی حیثیت سے آپ پر ڈالا تھا۔

بارہا ایسا ہوتا عورتیں حضورؐ کی خدمت میں بیعت کرنے یا دینی مسائل دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوتیں۔ ان مواقع پر حضرت عائشہ رضؓ بھی موجود ہوتی تھیں۔ وہ حضورؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ارشادات اور وعظ و نصائح کو ذہن نشین کر لیتیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی فطری شرم و حیا کی وجہ سے عورتوں کے بعض سوالات کا جواب اپنی زبان سے نہ دینا چاہتے اس وقت آپ حضرت عائشہ رضؓ کو ان مسائل کا جواب دینے اور ان کی وضاحت کرنے کا ارشاد فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک انصاری عورت اسماء بنت شکل نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ عورت ناپاکی کے ایام کے بعد اپنے آپ کو کیسے پاک کرے۔ آپ نے جواب دیا۔

"جس وقت خون بند ہو جائے تو تین بار اپنے آپ کو پاک کرے۔"

اس نے دوبارہ کہا:

"حضورؐ یہی تو دریافت کر رہی ہوں کہ کس طرح پاک کرے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"سبحان اللہ! ناپاکی کی حالت سے اپنے آپ کو پاک کرے۔"

یہ کہہ کر شرم کے مارے اپنا منہ پھیر لیا۔ حضرت عائشہ رض نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا اور اسے مسئلے کی کامل نوعیت سے آگاہ کر کے رخصت کر دیا۔

رسول اللہ صلعم کی صحبت سے جتنا فائدہ حضرت عائشہ رض نے اٹھایا، شاید ہی کسی اور نے اٹھایا ہو، دینی، فقہی، علمی اور معاشرتی مسائل سے حیرت انگیز واقفیت کے کے باعث وہ مرجع خواص و عوام تھیں جس شخص کو بھی کسی مسئلے کے سمجھنے میں دقت پیش آتی وہ حضرت عائشہ رض کے پاس آتا اور ہر طرح اپنی تسلی کر لیتا۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رض نے انہیں لکھا کہ آپ مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ انہوں نے جواب میں لکھ بھیجا۔

"سلام علیک، میں نے رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے یہ حدیث سنی ہے کہ جس شخص نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی چاہی تو اللہ تعالےٰ لوگوں کی ناراضی کے باوجود خود اس کا کفیل ہوگا۔ لیکن جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضامندی حاصل کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد کر دیگا۔ وہ اس سے جو برتاؤ چاہیں کریں، اللہ تعالیٰ کو اس سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔"

واقعی حضرت معاویہ جیسے امراء کے لئے اس سے بہتر نصیحت اور کوئی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

ام المومنین ہونے کی حیثیت سے حضرت عائشہ رض کے ذمہ تبلیغ اور تعلیم کا جو فریضہ عاید کر دیا گیا تھا انہوں نے اسے پوری طرح ادا کیا۔ احکام دین ہوں یا مسائل تطہیر، احکام صوم و صلوٰۃ ہوں یا معاشرتی مسائل، غرضیکہ جس کسی امر کے متعلق حضرت عائشہ رض سے استفسار کیا جاتا، وہ اس حسن و خوبی کے ساتھ اس کا جواب دیتیں کہ مستفسر باطمینان تمام واپس جاتا۔ بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ عورتیں انہیں زبان پر لاتے ہوئے ہچکچاتی ہیں۔ لیکن ام المومنین حضرت عائشہ رض کو امت کو تعلیم و تربیت کا کام

سونپا گیا تھا۔ اگر وہ اس فریضے سے پہلو تہی برتتیں اور اپنے دینی فرزندوں کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی سے کام لیتیں تو اس امانت میں خلل اندازی کی مرتکب ہوتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے سپرد کی گئی تھی، یہی وجہ تھی کہ ان سے جس مسئلے کے متعلق بھی دریافت کیا جاتا وہ بلا تامل اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر دیتیں اور بے جا شرم سے کبھی کام نہ لیتیں۔ جس مسئلے کے متعلق انہیں معلوم نہ ہوتا، بے دھڑک حضورؐ سے دریافت کر لیتیں۔

حضرت عائشہ رضؓ نے رسولؐ اللہ صلعم کی رفاقت میں کل نو سال گزارے۔ یہ مختصر زمانہ ان کے لئے انتہائی خوش بختی اور مسرت و شادمانی کا حامل تھا اور بہت کم خوش قسمت عورتیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں شادمانی اور خوش بختی کا ایسا دور نصیب ہوتا ہے۔ نو سال کے اس ازدواجی دور میں صرف دو ناگوار واقعات پیش آئے۔ ایک تو واقعہ افک جس کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے اور دوسرا نان و نفقہ میں زیادتی کے مطالبے کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی تمام بیویوں سے کچھ عرصے کے لئے قطع تعلق کرنے کا واقعہ۔

واقعہ افک میں تو میاں بیوی میں سے کسی کا ہاتھ نہ تھا بلکہ یہ کلیتہً منافقین کا برپا کیا ہوا تھا۔ اس واقعہ کے دوران میں بھی حضرت عائشہؓ حضورؐ کے بلند اخلاق اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ نیک اور بہتر سلوک کے مشاہدہ کا ایک نیا موقعہ ملا۔ رہ گیا بیویوں سے ناراضی کا واقعہ تو کون سا گھر ایسا ہے جو اس قسم کے واقعات سے خالی ہو۔ میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر رنجش پیدا ہو جانا معمولی بات ہے۔ اور دنیا میں اس قسم کے ہزاروں واقعات روزانہ ہوتے رہتے ہیں۔ اس موقعہ پر حضورؐ اپنی ازواج کو یہ امر ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ انہیں اسی طرح سادہ

زندگی بسر کرنی چاہیئے جیسی حضورؐ خود بسر کرتے ہیں کیونکہ ان کی حیثیت عام عورتوں جیسی نہیں ہے بلکہ وہ ہر بات میں لوگوں کے لئے نمونہ ہیں۔ اگر نبی کی بیویاں لوگوں کے سامنے قناعت اور نفسانی خواہشات پر قابو پانے کا نمونہ پیش نہ کریں گی تو یقیناً دوسرے مسلمانوں پر اس کا اچھا اثر نہ پڑیگا۔ کچھ عرصہ کی ناراضی اور قطع تعلق کے بعد حضورؐ نے انہیں اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو مال و دولت لے کر رخصت ہو جائیں اور چاہیں تو مال و دولت کی خواہش چھوڑ کر اللہ کے رسول کی رفاقت اختیار کریں۔ چنانچہ ہر ایک بیوی نے بلا استثناء رسول اللہ صلعم کی رفاقت کو ترجیح دی اور مال و دولت کا خیال چھوڑ کر تنگی ترشی سے زندگی بسر کرنا منظور کر لیا۔

زوجیت کی تمام سعادتیں میسر ہونے کے باوجود حضرت عائشہ رضؓ ایک ایسی نعمت سے محروم تھیں جس کے بغیر عورت کی زندگی بہت بے لطف گزرتی ہے۔ ہماری مراد اولاد سے ہے حضرت عائشہ رضؓ کو بھی اولاد سے محرومی کا بہت احساس تھا۔ خصوصاً اس حالت میں کہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت خدیجہ رضؓ سے حضورؐ کی بے پناہ محبت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو اولاد سے نوازا۔

ایک مرتبہ حضورؐ کے سامنے بھی اپنے درد و الم کا اظہار انہوں نے ان الفاظ میں کیا تھا:

"یا رسول اللہ، میری تمام سوتنوں کی کنیتیں ہیں۔ مگر میری کوئی کنیت نہیں۔"

رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

"تم اپنے بیٹے عبد اللہ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو۔"

حضورؐ کا اشارہ عبد اللہ بن زبیر کی طرف تھا جو حضرت عائشہ رضؓ کی بہن اسماء کے بیٹے تھے اور عائشہ رضؓ کو ان سے بے حد محبت تھی۔ چنانچہ انہوں نے عبد اللہ بن زبیر کے نام پر ہی اپنی کنیت ام عبد اللہ رکھ لی۔

تمام روایات اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کا ایک حمل ساقط ہوا تھا حضورؐ نے اس بچے کا نام عبداللہ رکھا اور اسی عبداللہ کے نام پر حضرت عائشہ رضؓ کی کنیت ام عبداللہ قرار پائی۔

اولاد سے محرومی کا احساس عورت کیلئے سخت اذیت بخش ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں حضرت عائشہ رضؓ کو بھی اس نعمت سے محرومی کا احساس تھا۔ مرد کو بھی فطرتاً اولاد کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اسی بیوی کو پسند کرتا ہے جس کے ذریعے اسکے ہاں اولاد پیدا ہو لیکن حضورؐ نے کبھی حضرت عائشہ رضؓ کو یہ احساس نہ ہونے دیا کہ وہ بے اولاد ہیں اور نہ ہی اس بنا پر آپؐ نے ان سے تلطف میں کچھ کمی کی۔ اس کے برعکس ہمیشہ محبت، شفقت اور خلوص سے پیش آتے رہے اور محبت و شفقت کا یہ بے پایاں سلوک ہی حضرت عائشہ رضؓ کے رنج و الم میں کمی اور تسکین کا باعث ہوتا تھا۔

ہم نے اپنی کتاب "عبقریتہ محمد" میں بھی متذکرہ بالا مسئلہ کے متعلق بحث کی تھی۔ اس کا ایک حصہ ہم یہاں بھی درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہم نے لکھا تھا۔

"اس سوال کا حتمی جواب دینا تو مشکل ہے کہ حضورؐ کی بیشتر ازواج بے اولاد کیوں رہیں تاہم بعض حالات اس قسم کے ضرور پیدا ہو گئے تھے جن کی بنا پر خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید یہی اسباب اولاد کی محرومی کا باعث نہ بنے ہوں۔

حضورؐ کی کنواری بیوی صرف حضرت عائشہ رضؓ تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے بچپن کی عمر میں شادی کی اور آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر بیس برس کے لگ بھگ تھی۔ بسا اوقات اتنی عمر میں عورت کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ ولادت کا زمانہ اس عمر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جہاں تک ان بیویوں کا تعلق ہے جو رسول اللہ صلعم سے پہلے دوسرے خاوندوں کے عقد میں آ چکی تھیں تو حضرت ام حبیبہ اور

ہند بنت امیہ مخزومیہ کے سوا باقی کسی بیوی سے اس کے پہلے زمانہ زوجیت میں بھی اولاد نہ ہوئی۔ ام حبیبہ اور ہند جس وقت حضورؐ کے عقد میں آئیں تو اتنی بوڑھی ہو چکی تھیں کہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ تھیں۔ ان کے علاوہ باقی کسی بیوی کی نہ حضورؐ سے اولاد ہوئی اور نہ اپنے پہلے خاوند سے۔

اس کا سبب، جہاں تک ہماری سمجھ میں آسکا ہے یہ ہے کہ حضورؐ نے اولاد کی خاطر اپنی ازواج سے نکاح نہیں کئے۔ حضورؐ کے نکاح بالعموم دو اغراض کے تحت ہوتے تھے۔ بعض عورتیں اپنے خاوندوں کی وفات کے بعد بالکل بے سہارا ہو جاتی تھیں۔ حضورؐ ان کی بے کسی اور بے بسی کا مداوا کرنے کے لئے ان سے نکاح کر لیتے تھے۔ بعض ازواج سے نکاح کرنے میں یہ غرض پنہاں تھی کہ حضورؐ ان کے قبیلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ان سے تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ حضورؐ کی بیشتر ازواج آپؐ کے عقد میں آنے سے قبل مصائب اور خطرات کے طوفانوں میں سے گزر چکی تھیں۔ بعض ازواج کو ایک لمبا زمانہ ہجرت کا گزارنا پڑا تھا اور اس دوران میں ہر قسم کی تکالیف اور مصائب سے انہیں واسطہ پڑ چکا تھا۔ رسول اللہ صلعم کی زوجیت سے بہرہ ور ہونے کے بعد بھی انہیں عیش و عشرت کی زندگی میسر نہ آئی، ان متذکرہ بالا صبر آزما حالات کی موجودگی میں اگر کوئی عورت اولاد پیدا کرنے کے نا قابل ہو جائے تو یہ امر باعث تعجب نہیں۔"

"عبقریۃ محمد" میں ہم نے ازواج النبیؐ کے بانجھ پن پر مجموعی تبصرہ کیا تھا چونکہ موجودہ کتاب ہم نے خاص حضرت عائشہؓ کے حالات کے بارے میں تالیف کی ہے اس لئے اس ذیل میں مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ بعض ایسے امور پر بھی روشنی ڈالنی مطلوب ہے جن کا تعلق خاص حضرت عائشہؓ سے ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ کے اولاد نہ ہونے کی پہلی وجہ ــ جیسے ہم "عبقریتہ محمد" میں بھی بیان کر چکے ہیں ـــ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بیس برس کی عمر تک بالعموم عورتیں صاحب اولاد نہیں ہوتیں اور حضرت عائشہ رضؓ کی عمر حضورؐ کی وفات کے وقت بیس برس کے لگ بھگ ہی تھی۔

اولاد نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کا بچپن بیماریوں میں گذرا۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ برس کی عمر میں انہیں بخار آیا جس سے ان کے تمام بال جھڑ گئے۔ بعد میں ان کی صحت ٹھیک نہیں رہی، اور وہ اکثر بیمار ہو جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ واقعہ افک کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں:

(غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر) میں بیمار پڑ گئی اور برابر ایک مہینے تک بیمار رہی۔ دریں اثناء لوگوں میں اس بہتان کا چرچا ہوتا رہا جو مجھ پر لگایا گیا تھا۔ لیکن مجھے اس کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ بیماری کے ایام میں مجھے یہ بات محسوس ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلعم مجھ سے پہلے کی طرح تلطف مہربانی اور شفقت سے پیش نہیں آتے۔ میں بہت حیران تھی مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ بالآخر جب مجھے اپنے اوپر بہتان طرازی کا پتہ چلا تو میرے مرض میں زیادتی ہو گئی۔

واقعۂ افک کی روایت کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت عائشہ رضؓ کو اچانک کوئی رنج دہ خبر ملتی تھی تو انہیں بخار چڑھ جاتا تھا۔

میں نے اس امر کی چھان بین کرنے کے لئے ڈاکٹروں کی طرف بھی رجوع کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بخار جس سے بال جھڑ جائیں اور بعد میں بھی متواتر اس کے حملے ہوتے رہیں بالعموم ملیریا یا ٹائیفائیڈ ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کے بارے میں ملیریا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہجرت کے بعد یہی مرض مہاجرین میں پھیلا تھا۔ چنانچہ خود حضرت

عائشہؓ اس بارے میں ایک روایت بیان کرتی ہیں جس میں وہ کہتی ہیں :

"جس زمانے میں حضورؐ مدینہ تشریف لائے وہاں کی آب و ہوا بے حد خراب اور گندی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر مہاجرین بیمار پڑ گئے۔ آخر رسول اللہ صلعم کی دعاؤں کی بدولت وباؤں کا خاتمہ ہوا اور مدینہ کی آب و ہوا گندا اور بیماریوں سے صاف ہو گئی۔ اسی دوران میرے والد ابوبکرؓ بلالؓ اور عامرؓ بن فہیرہ بھی بیمار ہو گئے۔ میں نے رسول اللہ صلعم سے ان کی بیمار پرسی کرنے کی اجازت مانگی۔ پردہ کا حکم اس وقت تک نازل نہ ہوا تھا حضورؐ نے مجھے اجازت دے دی۔ چنانچہ میں ان بیماروں کی عیادت کے لئے گئی جو اتفاق سے ایک ہی گھر میں تھے سب سے پہلے میں اپنے والد کے پاس پہنچی اور کہا :

" ابا جان! آپ کا کیا حال ہے ؟"

اس وقت انہیں بخار چڑھا ہوا تھا میرے پوچھنے پر انہوں نے یہ شعر پڑھا ؎

کل امرئ مصبح فی اھلہ والموت ادنیٰ من اشراک نعلہ

(ہر آدمی اپنے اہل و عیال کے درمیان صبح کرنے والا ہے اور موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے)

میں نے اپنے دل میں کہا۔" والد کو کچھ پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔"

اس کے بعد میں عامر کے پاس گئی اور ان کی مزاج پرسی کی۔ وہ کہنے لگے :

لقد وجدت الموت قبل ذوقہ

ان الجبان حتفہ من فوقہ

کل امرئ مجاھدہ بطوقہ

کالثور یحمیٰ انفہ بروقہ

(میں نے موت کا مزہ چکھنے سے پہلے ہی اسے پا لیا ہے۔ بزدل کی موت

اوپر سے آتی ہے۔ ہرایک آدمی اپنی طاقت کے موافق جد و جہد کرتا ہے جس طرح
بیل اپنے سینگوں سے اپنی حفاظت کرتا ہے۔)

میں نے کہا "عامر بھی اپنے ہوش میں نہیں ہیں"
بلال رضہ کو جس وقت زور کا بخار چڑھتا تو یہ اشعار پڑھتے

الالیت شعری هل ابیتن لیلتہ
بواد وحولی اذخر وجلیل

وهل اردن یوماً میاہ مجنہ
وهل یبدون لی شامتہ وطفیل

(کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی وقت ایسا بھی آئے گا جب میں وادیٔ مکہ میں
رات گزاروں گا اور میرے اردگرد اذخر اور جلیل کی خوشبودار گھاس ہوگی اور
کاش کوئی دن ایسا بھی میسر ہوگا جب میں بھی مجنہ کے چشمے سے پانی پیوں گا اور شامہ
اور طفیل کی پہاڑیاں میری نظروں کے سامنے ہوں گی)

حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں:

"میں نے واپس آکر رسول اللہ صلعم سے سب حال بیان کیا اور کہا کہ بخار
کی وجہ سے کسی کو اپنا ہوش نہیں ہے اور سب بیہوشی میں باتیں کر رہے ہیں۔ یہ
سنکر حضورؐ نے فرمایا:

اے اللہ! ہمارے دلوں میں مکہ کی طرح مدینہ کی محبت بھی ڈال دے بلکہ اس
سے بھی زیادہ، مدینہ کی آب و ہوا کو درست کر دے۔ اس کے مدّ اور صاع
میں برکت ڈال دے اور اس میں پیدا ہونے والے بخار کو حجفہ[1] میں منتقل کر
دے۔

---

[1] حجفہ مدینے سے کچھ فاصلے پر مکہ کی جانب ایک بستی ہے۔

اس وبا کا اثر حضرت عائشہؓ پر بھی ہوا اور وہ بھی ملیریا میں مبتلا ہو گئیں بعد میں بھی اس کا اثر بالکل زائل نہ ہو سکا اور بیماری کے حملے بار بار ہوتے رہے۔

میں نے بعض مشہور ڈاکٹروں سے اس سلسلے میں گفت و شنید کی تو انہوں نے بتایا کہ ملیریا کی وجہ سے حمل میں رکاوٹ پیدا ہونا ضروری نہیں، ہاں اگر اس بیماری کے متواتر حملوں کی وجہ سے جسم انتہائی لاغر اور کمزور ہو جائے، تب رکاوٹ پڑنے اور حمل ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

میں نے ان سے بھی دریافت کیا کہ بیماری کے بار بار حملوں کے علاوہ گھر میں مفلسی کا دور دورہ ہو اور بہت تنگی سے گزر اوقات ہوتی ہو۔ تب بھی حمل میں رکاوٹ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان سوالات سے میرا مقصد یہ تھا کہ حضورؐ کو کبھی متواتر تین دن تک گیہوں یا جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھانی نصیب نہ ہوئی تھی اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی یہ حالت نہ تھی بلکہ اس نیم فاقہ کشی میں آپ کے ساتھ آپ کے اہل و عیال بھی شریک تھے

ڈاکٹروں کا جواب یہی تھا کہ پے در پے بخار کے حملوں اور غذا کی قلت کے سبب سے حمل میں رکاوٹ پیدا ہو جانا بہت ممکن ہے مزید برآں اگر حضرت عائشہؓ کے اسقاط حمل کو بھی صحیح مان لیا جائے تو یہ ایک مزید دلیل ہوگی بخار کے اثر کے باعث حمل میں رکاوٹ پیدا ہونے اور حمل ضائع ہو جانے کی۔

بہرحال اولاد پیدا نہ ہونے کی کوئی بھی وجہ ہو اسمیں شک نہیں کہ اس کے باعث حضورؐ اور ان کی بیویوں کے درمیان مودت اور الفت کے رشتے میں مطلق کمی نہ آئی۔ اور حضورؐ ہمیشہ ان سے لطف و کرم کے ساتھ پیش آتے رہے۔ بعض دفعہ حضرت عائشہؓ نسوانی ناز و ادا کا اظہار کرتے ہوئے آپ سے پوچھا کرتی تھیں۔

یا رسول اللہ! ہمارے درمیان مہر و وفا کا جو معاہدہ ہوا تھا اس کا کیا حال ہے؟

حضورؐ جواب میں فرماتے :
اسی طرح برقرار رہے۔ مطلق کمی نہیں آتی ۔

ہر عورت کی فطری خواہش ہوتی ہے۔ کہ اس کا شوہر صرف اسی کے ساتھ محبت اور الفت سے پیش آئے اور دوسری سب بیویوں کی نسبت اسکے ساتھ گہرا تعلق ہو حضرت عائشہؓ اور دوسری بیویوں میں بھی یہ قدرتی جذبہ بہرحال پایا جاتا تھا اور رسول اللہؐ صلعم کی محبت کے حصول میں ہر بیوی دوسری بیویوں سے سبقت لے جانے کی کوشش میں لگی رہتی تھی جس سے بعض اوقات باہم شکر رنجی بھی پیدا ہو جاتی تھی بااین ہمہ ان کے دل سے یہ خیال کبھی محو نہ ہوتا تھا کہ وہ نبی کی بیویاں ہیں اور ان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ حضورؐ کا پورا احترام کریں ، حضورؐ کی رضا کو ہر امر پر مقدم رکھیں اور کوئی موقع ایسا نہ آنے دیں کہ حضورؐ ان کی کسی لغزش کی وجہ سے ان سے ناراض ہوں ۔ اگر کبھی کوئی ایسا موقع پیش آ بھی جاتا تھا تو وہ اپنی غلطی سے آگاہ ہونے پر فوراً اس سے رجوع کر لیتی تھیں اور آئندہ کے لئے کبھی حضورؐ کو شکایت کا موقع نہ دیتی تھیں ۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے کہا ۔

یارسول اللہ! آپ ہر وقت خدیجہؓ کا ذکر کیوں کرتے رہتے ہیں وہ تو ایک بوڑھی عورت تھی اب تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر بیویاں عطا فرما دی ہیں حضورؐ نے یہ سن کر اظہار ناراضی فرمایا ۔ حضرت عائشہؓ بہت نادم ہوئیں اور آئندہ پھر کبھی حضرت خدیجہؓ کے متعلق کوئی بات زبان سے نہ نکالی ، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت صفیہؓ کے متعلق کہنے لگیں ۔

یارسول اللہ! صفیہ تو پست قامت ہیں ۔

حضورؐ یہ سن کر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا ۔
عائشہ! تم نے ایسی بات منہ سے نکالی ہے جسے اگر سمندر میں بھی ملانا چاہو تو ملا سکتی ہو ۔
چنانچہ بعد میں حضرت عائشہؓ نے صفیہؓ کے متعلق اس قسم کی بات کبھی نہیں کی
تمام بیویوں میں حضرت عائشہؓ کا سب سے زیادہ مقابلہ کرنیوالی زینبؓ بنت جحش تھیں ۔ لیکن اس کے باوجود وہ کینہ پروری جو عام طور پر سوتنوں کے درمیان ہوتی ہے ۔ ان دونوں کے درمیان بالکل مفقود تھی ۔ نہ ہی حضرت عائشہؓ نے اور نہ حضرت زینب نے کبھی کوئی ایسا لفظ منہ سے نکالا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ ایک دوسرے کو رسول اللہ صلعم کی نظروں سے گرانا چاہتی ہیں
چنانچہ واقعہ افک کے سلسلہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کی رائے دریافت فرمائی ، تو انہوں نے کہا ۔
خدا کی پناہ ! میں اپنی سماعت اور بصارت کو عائشہؓ کی برائی سے بچاتی ہوں میں نے ان میں سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں پایا ۔
حضورؐ کی ایک بیوی سودہؓ جب پیرانہ سالی کو پہنچ گئیں ، تو انہوں نے اس خیال سے کہ کہیں ان کے بڑھاپے کے باعث حضورؐ انہیں چھوڑ نہ دیں (گو ان کا یہ خیال تھا) اپنی باری بخوشی حضرت عائشہؓ کو دیدی ۔ حضرت عائشہؓ پر اس کا بہت اثر ہوا اور وہ ہمیشہ حضرت سودہؓ کی شکر گزار رہیں
ان واقعات کو پڑھ کر کوئی شخص یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتا کہ گو فطری طور پر کبھی کبھی ازواج مطہرات میں شکر رنجی پیدا ہو جاتی تھی ۔ لیکن ان کا آئینہ دل بالکل صاف تھا اور وہ ایک دوسرے کی دلی خیر خواہ تھیں فطرت کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا اگر نو سگی بہنیں ایک جگہ رہتی ہوں تو ان میں بھی اکثر

کھٹ پٹ ہو ہی جاتی ہے یہاں تو معاملہ سوتوں کا تھا۔ حضورؐ کی تربیت کا اثر تھا کہ یہ معاملہ صرف باہمی شکر رنجیوں تک محدود رہا۔ کینہ پروری، حسد اور انتقام سے ازواج مطہراتؓ کا دامن بالکل پاک تھا اور حد اعتدال سے انہوں نے کبھی تجاوز نہ کیا۔

سوتوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کے سلسلہ میں ایک اور اہم امر کا تذکرہ کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ ہے حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے باہمی تعلقات کی نوعیت کا مسئلہ۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضورؐ کے نزدیک سب سے محبوب شخصیت آپ کی بیٹی فاطمہؓ کی تھی تو غلط نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ خود بیان کرتی ہیں کہ کسی شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا۔

یارسول اللہ! آپ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟

حضورؐ نے فرمایا۔ فاطمہ

اس شخص نے دوبارہ دریافت کیا کہ مردوں میں سب سے پیارا کون ہے؟

آپؐ نے جواب دیا۔ "فاطمہؓ کے شوہر"۔

حضرت فاطمہؓ کے بچوں حسنؓ اور حسینؓ سے بھی حضورؐ کو انتہائی محبت تھی آپؐ اکثر ان سے کھیلتے، پیار کرتے، چمکارتے اور ان کے دل بہلانے کا سامان کرتے رہتے تھے۔

اوّل تو فاطمہؓ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں جن کے ساتھ حضورؐ کی بے پناہ محبت اور ان کا بار بار ذکر کرنے کے باعث حضرت عائشہؓ اپنے دل میں ایک خلش محسوس کرتی تھیں اور اس کا اظہار ایک مرتبہ انہوں نے حضور کے سامنے

کر بھی دیا تھا۔ دوسرے حضرت عائشہؓ کی گود اولاد سے خالی تھی۔ جب وہ خدیجہؓ کی لختِ جگر کے ساتھ حضورؐ کی الفت و محبت کا نظارہ کرتیں تو انہیں اولاد کی محرومی کا احساس بہت شدت سے ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان دونوں کے درمیانی تعلقات کسی حد تک استوار نہ تھے۔ اسی امر کے پیش نظر ایک مرتبہ امہات المومنین نے حضرت فاطمہؓ کے ذریعے حضورؐ کو یہ پیغام بھجوایا تھا کہ آپ اپنی بیویوں اور عائشہؓ کے درمیان مساوات کو کام میں لائیں اور حضرت فاطمہؓ نے بھی یہ خدمت بخوشی قبول کر لی تھی۔

حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی رنجش کا باعث یہ امر بھی ہو سکتا ہے۔ کہ واقعہ افک کے بعد رسول اللہ صلعم نے حضرت علیؓ کی رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر تنگی وارد نہیں کی، عائشہؓ کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں ہیں۔ (جن سے آپ نکاح کر سکتے ہیں۔)

انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتوں کا اثر بہرحال قبول کرتی ہیں۔ اس لئے اگر حضرت علیؓ کے اس قول سے حضرت عائشہ کو رنج پہنچا ہو۔ اور اس کا اثر ان کے اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات پر پڑا ہو تو تعجب نہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اس رنجش نے کبھی ناگوار صورت اختیار نہیں اور ہر ایک کے دل میں دوسرے کے لیئے عزت و احترام کے جذبات برقرار رہے۔

یہ ہے مختصر خاکہ حضرت عائشہؓ کی خانگی زندگی کا۔ جس پر ایک نظر ڈالنے سے ان کی عظیم الشان شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا علم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عام بیویوں کی طرح زندگی گزار ہی، بلکہ تعلیم و تلقین کا بوجھ اپنے کندھوں

پر اٹھا کر انہوں نے صحیح معنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک حیات ہونا ثابت کر دیا۔ حضورؐ کی پیش کردہ تعلیمات کو جس طرح انہوں نے اپنے ذہن میں محفوظ کیا۔ اور کوئی نہ کر سکا اور حضورؐ کی وفات کے بعد آپ کی چھوڑی ہوئی امانت کتاب اللہ اور سنت نبوی ـــــ کو جس خوش اسلوبی سے انہوں نے امّت تک پہنچایا، دوسرے صحابہ میں اس کی نظیر ملنی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

واقعۂ افک

حضرت عائشہؓ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ بہتان طرازی کا وہ ناپاک الزام ہے جو منافقین کی طرف سے آپ کی پاک اور مطہر شخصیت کے خلاف گھڑا گیا اس ناپاک الزام کی اشاعت میں سب سے بڑا ہاتھ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی اسلولی کا تھا جسے رسول اللہ صلعم، اسلام اور مسلمانوں سے سخت دشمنی تھی۔ لیکن اپنے ہم وطنوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے کچھ کر نہ سکتا تھا اور اپنے دل کا غبار حضورؐ اور آپ کے اصحاب کے خلاف الزام تراشیوں اور بہتان طرازیوں کے ذریعے نکالتا رہتا تھا۔

اس ناپاک الزام کی اشاعت کے وقت فتنہ پرواز منافقین نے اخلاق اور شرافت کی سب حدود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جو کام کیا اس کے باعث قیامت تک آنے والی نسلیں ان پر لعنت بھیجتی رہیں گی اس موقعہ پر وہ تمام اسباب مجتمع ہو گئے تھے جنہیں فتنہ پرواز لوگ اپنے مذموم مقاصد کی بجاآوری کے لئے مفید خیال کرتے ہیں اور جن کی بنا پر وہ سادہ لوح لوگوں کو اپنے پیچھے لگا کر معصوم ہستیوں کے متعلق افترا پردازی اور بہتان تراشی کی مہم شروع کر دیتے ہیں ذیل میں ان اسباب کا بالاختصار تجزیہ کیا جاتا ہے۔

قدیم سے لوگوں کی یہ عادت چلی آتی ہے ۔ کہ اگر کسی شخص کے خلاف کوئی افواہ پھیلتی ہے تو وہ اس کی تصدیق اور تحقیق کرنے کی بجائے خود اپنی طرف سے نت نئی باتیں گھڑ کر افواہ کے دائرے کو وسیع کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ویسے تو معمولی معمولی باتوں ہی کا بتنگڑ بنا لیا جاتا ہے ۔ لیکن اگر کسی عزیب کو ناجائز تعلقات کے الزام میں ملوّث کیا جائے تو ایسے مواقع پر لوگوں کی دلچسپی میں اضافہ ہو جاتا ہے اگر معزز افراد اور عزت ووجاہت رکھنے والے اصحاب ان الزامات کی لپیٹ میں آجائیں ۔ تو عوام کی دلچسپی کئی گناہ بڑھ جاتی ہے اور اگر کسی قسم کے گندے الزامات لگانے اور ان کی اشاعت کرنے سے بعض لوگوں کی مخصوص اغراض وابستہ ہوں تو فتنہ میں اور بھی زیادتی ہو جاتی ہے اور اگر اس فتنہ کا مقصد قومی عصبیت کو بھڑکانا اور ایک فریق کے دل میں دوسرے فریق کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات پیدا کرنا ہو تو اس صورت میں یہ فتنہ اپنی حد کو پہنچ جاتا ہے اور اس سے سنگین نتائج پیدا ہو سکتے ہیں ۔

حضرت عائشہؓ کے خلاف بہتان طرازی کا افسانہ بھی اس قبیل سے ہے اس میں بھی ایک پاکباز مرد اور مطہر عورت پر الزام تراشی کی گئی تھی یہ دونوں مرد اور عورت بہت بڑی شان ہیں کے مالک تھے اور اس الزام کو مشتہر کرنے میں قبیلہ خزرج کے سب سے بڑے سردار اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی بعض مخصوص اغراض وابستہ تھیں اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ حضرت عائشہؓ کے متعلق فتنا برپا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکتا ۔

ابن سلول جیسے بدطینت شخص کی مثال دنیا کے پردنے پر ملنی مشکل ہے کذب ونفاق اور مداہنت اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی ۔ رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلانا اور فتنہ وفساد کی راہیں نکالنے کی

کوشش کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

ہجرت مدینہ سے قبل یہ شخص قبیلہ خزرج کا سردار تھا اور بڑی جاہ و مکنت کا مالک، لیکن مدینے میں اسلام پھیلنے کی وجہ سے اس کی سب عزت و وجاہت ختم ہو گئی، جس کے باعث یہ رسول اللہ صلعم کا جانی دشمن بن گیا۔ بظاہر تو کچھ کر نہ سکتا تھا۔ منافقین کے زمرے میں شامل ہو کر حضورؐ کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ ایک طرف دشمنانِ اسلام سے خفیہ ساز باز کر کے انہیں مسلمانوں پر چڑھائی کرنے اور رسول اللہ صلعم کو قتل کرنے کی ترغیب دینے لگا اور دوسری طرف اندرون خانہ مختلف تدابیر سے اپنے ہم قوم لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

واقعہ افک سے چند دن پہلے، جب کہ مسلمان غزوہ بنو مصطلق سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آ رہے تھے، اسلامی لشکر نے ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالا ایک مرتبہ چشمے سے پانی لیتے وقت ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان معمولی جھگڑا ہو گیا۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی بلکہ اکثر اوقات جب چشمے میں پانی کم ہو اور پانی لینے والے زیادہ ہوں اس قسم کے جھگڑے ہو ہی جایا کرتے ہیں لیکن ابن سلول نے اسی واقعہ کو فساد کی جڑ بنا کر فتنے کی آگ بھڑکانے اور مہاجرین اور انصار کے درمیان نفرت و حقارت کے جذبات ابھارنے کی کوشش کی اس نے طیش میں آ کر بہت گندے الفاظ منہ سے نکالے اور کہا:

مفت کی روٹیاں توڑ توڑ کر اب قریش کو یہ دن لگے ہیں کہ کھاتے بھی ہیں اور غراتے بھی ہیں، خدا کی قسم، جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو نکال باہر کرے گا۔ (معزز ترین آدمی سے اس کا اشارہ اپنی طرف ہے اور ذلیل ترین آدمی سے نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم کی طرف) اس کے

بعد وہ اپنے ہم قبیلہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔
یہ سب کچھ تمہارا کیا دھرا ہے۔ تم نے انہیں اپنے گھروں میں جگہ دی اور اپنے اموال ان میں تقسیم کر دیئے۔ اور ابھی کیا ہے اگر اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا تو تمہیں دکھا دوں گا۔ کہ یہ لوگ تمہیں تمہارے گھروں سے نکال باہر کریں گے اور تم ان کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔

ابن سلول کی ان فتنہ انگیز باتوں کی اطلاع رسول اللہ صلعم کو بھی ہو گئی لیکن جب آپؐ نے اس سے استفسار فرمایا تو صاف مکر گیا اور قسم کھالی کہ اس نے اس قسم کی کوئی بات زبان سے نہیں نکالی۔

غرض اپنی ناکامی اور قیادت سے محرومی کے باعث ابن سلول کا جذبہ انتقام ابھر آیا اور وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے مسلمانوں کو تنگ کرنے اور انہیں نیچا دکھانے پر تلا ہوا تھا، چنانچہ اس کی انہی مفسدانہ باتوں کو دیکھ کر قبیلہ اوس کے ایک بڑے سردار اسید بن حضیر نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا تھا کہ آپ ابن سلول کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں یہ معذور ہے۔ آپ کے مدینہ تشریف لانے سے قبل اہل مدینہ نے متفقہ طور پر اسے اپنا سردار بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اس کے لیئے تاج بھی تیار ہو گیا تھا۔ لیکن آپ کے آنے سے اس کی تمام امنگیں دل ہی دل میں دبی رہ گئیں۔ اور اس کی بادشاہی کے خواب حسرتوں میں تبدیل ہو گئے۔ اب وہ اپنی شکست اور ناکامی کا انتقام لینے کی خاطر ان کمینہ حرکات پر تلا ہوا ہے مناسب یہی ہے کہ حضورؐ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ پر بہتان کی اشاعت و ترویج سے اس کی غرض شریر انسانوں کی طرح محض ایک پاکباز عورت کو متہم کرنا نہ تھی بلکہ اصل مقصد

رسول اللہ صلعم اور اسلام کو بدنام کرنا تھا۔ چنانچہ جب صفوان بن امیہ کا اونٹ جس پر حضرت عائشہ رضؓ سوار تھیں۔ ابن سلول کے پاس سے گزرا تو اس نے پوچھا
"یہ عورت کون ہے؟"
جب اسے بتایا گیا کہ یہ عائشہؓ ہیں تو اس نے کہا۔
لو یہ تمہارے نبی کی بیوی ہے جس نے رات ایک غیر مرد کے ہمراہ گزاری (نعوذ باللہ من ہذا الخرافات) اور اب صبح ہونے پر وہ اسے اپنے ساتھ لے کر آیا ہے۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کی طرح دیگر مخالفین اسلام نے بھی واقعہ افک کو اسلام اور بانی اسلام علیہ التحیۃ والتسلیم پر طعن و تشنیع کرنے کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے اور اس کام میں یورپ کے پادری اور مستشرقین پیش پیش ہیں البتہ جن لوگوں میں شرافت کا کچھ مادہ پایا جاتا ہے وہ اس واقعہ کو سراسر بعید از عقل سمجھتے ہیں چنانچہ سر ولیم میور اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ کی ماقبل اور مابعد کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے یہ امر نہایت صاف اور واضح طور پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اس ناپاک اتہام سے قطعاً بری تھیں۔

بعض لوگ حقیقت سے اس حد تک تجاوز کر گئے ہیں کہ انہوں نے لکھ دیا کہ عائشہ رضؓ نبی کریم سے ایک دن تک علیحدہ رہیں اور یہ پورا دن انہوں نے صفوان کے ساتھ گزارا۔ چنانچہ راڈویل (ROD WELL) اپنے ترجمۂ القرآن میں سورۂ نور کے اس مقام پر جہاں اس واقعہ کا ذکر آیا ہے حاشیہ میں یہی لکھتا ہے۔

بیشتر مستشرقین نے اگرچہ واقعات بیان کرنے میں انتہائی تلبیس سے کام لیا ہے تاہم انہیں یہ جرات نہ ہو سکی کہ وہ حضرت عائشہ کو نعوذ باللہ اس الزام میں ملوث گردان سکیں لیکن بعض پادری امانت و دیانت اور اخلاق و شرافت

....کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایسا کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ محمدؐ نے عائشہؓ کو الزام سے بری قرار دینے اور اتہام لگانے والے اشخاص کو عبرت ناک سزا سے ڈرانے کے لیئے سورۂ نور کی وہ آیات تصنیف کیں جن میں عائشہؓ کی بریت کا بیان اور الزام لگانے کی صورت میں چار گواہوں کی شہادت پیش کرنے کا ذکر ہے۔

جن متشرقین نے اس قسم کی خامہ فرسائی کی ہے۔ انہوں نے قرآنِ کریم سے اپنی ناواقفیت اور جہالت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اگر عورت پر الزام لگانے کی صورت میں چار گواہ پیش کرنے کا ذکر صرف سورۂ نور میں ہوتا تب ان متشرقین کے لیئے اعتراض کرنے کی کچھ گنجائش ہوتی لیکن جو شخص قرآن کریم کی آیات سے واقف ہے اسے معلوم ہے کہ سورۂ نساء میں بھی زنا کے الزام کی صورت میں چار گواہ پیش کرنے کا ذکر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

واللاتی یأتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم۔ فان شھدو فامسکوھن فی البیوت حتیٰ یتوفاھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلاً۔

وہ عورتیں جو زنا میں ملوث پائی جائیں ان کے خلاف چار گواہ پیش کرنے ضروری ہیں اگر وہ گواہی دے دیں تو ایسی عورتوں کو اپنے گھروں میں اس وقت تک روکے رکھو، جب تک ان کا رشتہ حیات منقطع نہ ہو جائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیئے کوئی اور راستہ پیدا نہ کر دے۔

یہ امر فی البدیہہ ثابت ہے کہ سورۂ نساء کی یہ آیات سورۂ نور سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھیں اور اس وقت کسی شخص کو اس بات کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ آگے چل کر حضرت عائشہؓ پر اس قسم کا اتہام لگایا جائیگا لہذا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلعم

نے محض عائشہ کو بچانے کی خاطر چار گواہوں کی شرط لازم قرار دیدی۔ ایک ایسا بہتان ہے جس سے بہتان لگانیوالے کی علمی جہالت آشکارا ہو جاتی ہے۔

بعض پادریوں نے یہ گوہر افشانی کی ہے کہ جب مسلمان غزوہ بنو مصطلق سے واپس آ رہے تھے تو راتیں اندھیری تھیں اور اندھیری راتوں میں ایک گمشدہ ہار کا ڈھونڈنا سخت دشوار امر ہے لیکن یہ بات بھی بالبداہت غلط ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلعم ۲ شعبان کو سفر پر روانہ ہوئے تھے اور حضورؐ کی واپسی یقیناً چاندنی راتوں میں ہوئی تھی۔ علاوہ بریں اگر ان دنوں اندھیری راتیں ہوتیں تو منافقین، جو پادریوں کی طرح اعتراض کا کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اپنے الزام کی تشہیر کے دوران میں اس امر کو بھی ضرور پیش کرتے، لیکن ہمیں اس قسم کی کوئی روایت نظر نہیں آتی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ منافقین کی طرف سے اپنے الزام کے ثبوت میں یہ امر بھی پیش کیا گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم جس جہت سے بھی دیکھیں اس الزام کے سرتا پا افتراء ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ نہ معلوم وہ لوگ کس قسم کی ذہنیت کے مالک تھے جنہوں نے اس اتہام کی تشہیر میں حصہ لیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے کس طرح یہ یقین کر لیا کہ لوگوں کے دماغ جس سے اس قدر ماؤف ہو چکے ہیں اور ان کی عقلیں اس حد تک اندھی ہو چکی ہیں کہ وہ ان کی طرف سے پیش کردہ ہر قسم کی خرافات تسلیم کرنے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔ اس الزام کی تشہیر کرنے والے لوگوں سے قطع نظر، حال کے مخالفین اسلام کی عقلوں پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ کس ڈھٹائی سے تاریخی واقعات اور حقائق کو جھٹلانے کی کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اپنی عقلوں کو ذرا بھی کام میں لاتے تو انہیں اس حقیقت کا علم ہوتے میں ذرا بھی دقت نہ ہوتی کہ کوئی ایک قرینہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا، جس سے اس الزام کی صحت ثابت ہو سکتی ہو۔ یہ الزام ایک بدترین جھوٹ ہے۔ کسی دیانت دار مورخ کے لیئے زیبا نہیں کہ وہ دیدہ دانستہ اس جھوٹ پر پردہ ڈالنے اور اسے سچ ثابت کرنے کی کوشش کرے یہ ایک خطرناک بدظنی ہے۔ کسی انسان کے لیئے مناسب نہیں کہ اس سے

اپنے آپ کو آلودہ کرے ایک پاکباز عورت پر گندی تہمت ہے کسی شریف انسان سے قطعاً بعید ہے کہ وہ اس پر ایک لمحہ بھی یقین کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی بریت نازل فرمائی اس لیئے نہیں کہ یہ معاملہ اس قدر مشکوک تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بریت کے بغیر صاف نہ ہو سکتا تھا بلکہ اس لیے کہ آئندہ اگر کبھی پاک دامن عورت کے ساتھ یہ معاملہ پیش آئے تو لوگ بلا سوچے سمجھے دریدہ ذہن اور خبیث، بفطرت لوگوں کے پیچھے نہ چل پڑا کریں ورنہ حضرت عائشہؓ کا دامن تو اس قدر صاف تھا کہ کسی شریف الطبع غیر مسلم تک کو اس کی صفائی میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ کجا یہ کہ ان کی بریت میں آسمان سے وحی نازل ہونے کی ضرورت پڑتی۔

خلاصہ یہ کہ اس ناپاک الزام سے حضرت عائشہؓ کی بریت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس تہمت کے ثبوت میں حقیر سے حقیر اور کمزور سے کمزور دلیل بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔

بہتان طرازی کا فتنہ غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر شروع ہوا واپسی کے معاً بعد ایسے آثار دکھائی دینے لگے تھے کہ عبداللہ بن اُبی سلول کی کینہ پروری اور بغض وعداوت ضرور رنگ لا کر رہے گی اس شخص پر رسول اللہ صلعم نے بے حد احسانات کیئے تھے لیکن ان کا بدلہ اس نے یہ دیا کہ ہمیشہ مسلمانوں کی تباہی کے درپے رہا اور حضورؐ کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے نہ دیا۔ کینہ پروری اور مکر و فریب میں اس کا جواب نہ تھا۔ اور سازشوں اور بہتان طرازیوں میں یہ شخص طاق تھا۔

سب سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک جگہ مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا قریب ہی ایک کنواں تھا لوگ وہاں پانی لینے کیلئے پہنچے، اتفاقاً ایک مہاجر اور انصاری کی

پانی لیتے وقت باہم کچھ گرم گفتگو ہوگئی اور دونوں نے جاہلیت کے طریقے کے مطابق اپنے اپنے قبیلے کو مدد کے لیئے پکارا۔ یہ آواز سنتے ہی دونوں فریق ہتھیار لے کر کنویں پر پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ تلواریں کھینچ جائیں کہ حضورؐ کو خبر پہنچ گئی۔ آپ اپنے خیمے سے باہر نکلے، اور فریقین کو جمع کر کے سخت خفگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ تم نے میرے سامنے جاہلیت کی باتوں کو دھرانا شروع کر دیا۔ حضورؐ کی تقریر سن کر قریش اور انصار دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور آئندہ کے لیئے محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ بات آئی گئی ہوگئی۔

یہ واقعہ بظاہر بہت معمولی تھا اور بعد میں کسی کو اس کا خیال نہ رہتا لیکن عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیئے اس موقعہ کو بہت اہم سمجھا اور اس واقعہ کی بنا پر اس نے قبیلہ خزرج میں عصبیت کی آگ بھڑکانے کی کوشش شروع کر دی جو شخص بھی اسے ملتا اسے روک کر کہتا۔

کیا تم نے آج سے زیادہ ذلت آمیز سلوک کبھی ہم سے ہوتے دیکھا؟ خدا کی قسم اپنے قبیلے کی ذلت کو دیکھ کر میرا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اچھا لشکر کو مدینہ پہنچ لینے دو، وہاں پہنچ کر معزز ترین شخص ذلیل ترین شخص کو شہر سے نکال دیگا۔

اسی شیخی پر بس نہیں کی بلکہ اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا:

تم نے محمدؐ کی پیروی کا نتیجہ دیکھ لیا۔ تم نے اس کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنی جانیں قربان کر دیں اپنی اولادوں کو یتیم اور بیویوں کو بیوہ بنا لیا۔ تم تعداد میں زیادہ تھے لیکن آہستہ آہستہ تمہاری تعداد گھٹتی گئی قریش تھوڑے تھے لیکن ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ اب تمہارے بچاؤ کا صرف ایک ذریعہ ہے اور یہ کہ اب تم محمدؐ اور اس کے ساتھیوں پر کچھ خرچ نہ کرو۔ یہ دیکھ کر آہستہ آہستہ سب لوگ محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور تمہیں ایک عظیم مصیبت سے نجات مل جائیگی۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کی ان مفسدانہ باتوں کی اطلاع حضورؐ کو بھی مل گئی دوپہر کا وقت تھا اور شدید گرمی پڑ رہی تھی لیکن آپ نے یہ خبر ملتے ہی فوراً کوچ کرنیکا حکم دیدیا۔ ایک صحابی اسید بن حضیر نے کہا۔

یارسول اللہ! یہ تو بہت ہی نامناسب وقت ہے اس وقت تو آپ کبھی کوچ کا حکم نہیں دیتے آج کیا نئی بات ہوگئی ہے۔؟

رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

تم نے سنا نہیں عبداللہ بن ابی بن سلول کیا کہتا ہے؟

حضورؐ کے حکم کے مطابق لشکر نے کوچ شروع کر دیا آپ باری باری اونٹنی کو کوڑا مارتے تھے۔ تاکہ وہ جلدی چلے، اسی طرح دن کا آخر آگیا لیکن آپ نے برابر کوچ جاری رکھا اور رات کو بھی کہیں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا، اگلے روز صبح کو جب سورج کی کرنیں لشکر پر پڑنے لگیں اس وقت آپؐ نے لوگوں کو پڑاؤ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ لوگ تھکے ہوئے تو تھے ہی سواریوں سے اترتے ہی پڑ کر سو گئے۔

جب دوبارہ سفر شروع ہوا تو سخت آندھی چلنے لگی اور لشکر کی ہلاکت کا خطرہ پیدا ہوگیا ادھر بعض لوگوں کو یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں عینیہ بن حصن مسلمانوں کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر اس دوران میں مدینہ پر حملہ نہ کر دے کیونکہ اس کے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کی معیاد ختم ہوگئی تھی ان حالات کی وجہ سے لشکر نے غیر معمولی رفتار سے کوچ شروع کر دیا اور بہت جلد مدینہ کے قریب پہنچ گیا۔

ابھی مدینہ کچھ فاصلے پر تھا کہ سورج غروب ہوگیا اور رات کی تاریکی کے باعث لشکر کو ایک میدان میں پڑاؤ ڈالنا پڑا۔ پچھلے پہر جب دوبارہ کوچ کی تیاریاں

شروع ہوئیں تو حضرت عائشہؓ کو رفع حاجت کی ضرورت پیش آئی اور وہ قافلے سے ذرا دور چلی گئیں۔ جب واپس آئیں تو معلوم ہوا کہ ان کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے وہ اس کی تلاش میں دوبارہ قافلے سے باہر نکلیں اندھیری رات میں ایک چھوٹے سے ہار کو ڈھونڈنا بہت مشکل کام تھا۔ انہیں کافی دیر لگ گئی اس دوران میں ہودج اٹھانے والوں نے اس خیال سے کہ حضرت عائشہؓ اپنے ہودج میں ہیں، اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور قافلہ روانہ ہو گیا چونکہ حضرت عائشہؓ بہت دبلی پتلی تھیں اس لئے ہودج ہلکا ہونے کے باوجود انہیں شبہ بھی نہ ہوا کہ وہ اس میں نہیں ہیں۔

ہار کو تلاش کر کے جب حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا وہ بہت گھبرائیں لیکن یہ خیال کر کے وہیں پڑ رہیں کہ جب قافلے والوں کو ان کے ہودج میں نہ ہونے کا علم ہو گا تو وہ انہیں لینے کے واپس آئیں گے۔ صفوان بن معطل ایک صحابی تھے جو لشکر کی گری پڑی چیزوں کو اٹھانے کے لئے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے۔ حضورؐ نے خود انہیں اس خدمت پر مامور فرمایا تھا اس کی بڑی وجہ یہ تھی، کہ وہ بہت گہری نیند سونے والے تھے۔ لشکر روانہ ہو جاتا تھا مگر ان کی آنکھ نہ کھلتی تھی اور وہ بدستور خواب غفلت میں مدہوش رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی بیوی نے حضورؐ سے شکایت بھی کی تھی کہ میرا خاوند سوتا رہتا ہے اور نماز فجر کے لئے بھی نہیں اٹھتا چونکہ حضورؐ صفوان کی عادت سے واقف تھے۔ اس لئے آپ نے انہیں اجازت دے دی تھی۔ کہ جس وقت ان کی آنکھ کھلے نماز ادا کر لیا کریں۔

اس جگہ اس امر کا اظہار کر دینا بھی ضروری ہے کہ صفوان کی بیوی کا حضورؐ سے شکایت کرنے کا مقصد دراصل حضورؐ کو اس طرف توجہ دلانا تھا کہ صفوان کو مجھ سے بالکل رغبت نہیں ہے اور وہ میرے پاس کبھی نہیں آتا چونکہ وہ شرم و حیا کی وجہ سے یہ بات کھلم کھلا زبان پر نہ لا سکتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے صفیان کی

گہری نیند کا تذکرہ کرکے اپنی شکایت کا اظہار کنایۃً حضورؐ کے سامنے کردیا۔ صفوان کے اپنے بیان سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے لوگوں کو اپنے متعلق چہ مگوئیاں کرتے سنا تو قسم کھا کر کہا کہ میں نے آج تک کسی عورت کے کندھے پر سے کپڑا نہیں اٹھایا۔

دن چڑھے جب صفوان بیدار ہوئے تو انہوں نے دور میدان میں ایک سیاہ چیز پڑی ہوئی دیکھی۔ جب وہ قریب آئے تو معلوم ہوا وہ حضرت عائشہؓ ہیں انہوں نے زور سے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اناللہ پڑھنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس آواز سے جاگ اٹھیں اور بات کرنے کی نوبت نہ آئے۔ صفوان کی آواز سے حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی۔ صفوان اپنا اونٹ قریب لائے۔ اور کہا۔ ام المومنین! سوار ہو جایئے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ صفوان اس کی مہار پکڑ کر لشکر کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے اور دوپہر کے وقت اسے جا لیا۔

جب عبداللہ بن ابی کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اسے فتنہ پردازی کا ایک اور موقعہ ہاتھ آگیا وہ پہلے ہی ایک مہاجر اور انصاری کے معمولی جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر مہاجرین اور انصار میں تفرقہ ڈلوانے اور عصبیت کی آگ بھڑکانے کی مذموم کوشش کر چکا تھا۔ اس ناپاک تہمت کی تشہیر تو اس نے راستے ہی میں کرنی شروع کر دی تھی، لیکن مدینہ پہنچنے پر اس فتنہ نے منظم پروپیگنڈے کی صورت اختیار کرلی اور منافقین نے زور شور سے الزام کو مشتہر کرنا شروع کردیا

اس فتنہ کے پھیلانے سے منافقین کی تین اغراض تھیں۔ اوّل، رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر صدیق کے درمیان اختلاف پیدا کردیا جائے۔ دوم، مسلمانوں میں رسول اللہ صلعم کے تقدس کے متعلق بدگمانی کے جذبات ابھارے جائیں۔ سوم، انصار اور خصوصاً قبیلہ خزرج اور قریش میں اختلافات پیدا کرکے اوّل الذکر

کو اسلام سے برگشتہ تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا ذکر خود حضرت عائشہؓ کی زبانی بھی بیان کر دیا جائے کیونکہ جس تفصیل سے خود انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے اور کسی صحابی یا راوی نے نہیں کیا وہ فرماتی ہیں

غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر جب ہم مدینہ پہنچے تو میں ایک مہینے تک بیمار رہی دریں اثنا لوگوں میں منافقین کی پھیلائی ہوئی باتوں کا چرچا ہوتا رہا لیکن مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہ تھا البتہ مجھے یہ احساس ضرور ہوتا تھا کہ مجھ پر رسول اللہ صلعم کا پہلا سا التفات نہیں رہا ہے۔ حضورؐ اس وقت میرے پاس تشریف لاتے۔ جب میری والدہ میری تیمارداری میں مصروف ہوتیں اور معمولی مزاج پرسی کر کے واپس تشریف لے جاتے مجھے سخت حیرت تھی کہ یہ کیا ماجرہ ہے۔ رسول اللہ صلعم مجھ سے پہلے کی طرح شفقت سے کیوں پیش نہیں آتے۔ ایک دن اسی بیماری کی حالت میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لیئے باہر نکلی۔ ام مسطح میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں راستے میں ان کا پاؤں چادر میں الجھ گیا ان کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے مسطح تباہ ہو گیا۔

میں نے کہا: تم کتنی بری بات اپنی زبان سے نکال رہی ہو ایسے آدمی کو کوستی ہو جو جنگ بدر میں شریک تھا۔ وہ کہنے لگیں بھولی بھالی لڑکی! تم نے نہیں سنا وہ کیا کہتا ہے؟ میں نے پوچھا۔ کیا کہتا ہے۔ اس پر انہوں نے تمام واقعہ بتایا کہ میرے متعلق منافقین کیا کیا بہتان طرازیاں کر رہے ہیں یہ سن کر میری بیماری میں زیادتی ہو گئی۔ میں اپنے گھر واپس آ گئی اور رات اس حالت میں گزاری کہ نہ ایک پل کے لئے میری آنکھوں سے آنسو تھمے۔ اور نہ آنکھ جھپکی۔ صبح کے وقت رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور سلام کے بعد حسب معمول فرمایا: تمہارا کیا حال ہے؟ میں

نے حضورؐ سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت مانگی کیونکہ میں چاہتی تھی کہ ان سے مفصل اور یقینی حالات معلوم کروں۔ رسول اللہ صلعم نے اجازت دیدی۔ اور میں اپنے والدین کے گھر آگئی اس وقت میری والدہ ام رومان گھر کے نچلے حصہ میں تھیں اور اوپر میرے والد ابو بکر قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ میری والدہ مجھے دیکھ کر کہنے لگیں۔ تم اس بیماری کی حالت میں کیوں چلی آئیں؟ میں نے کہا۔ میرے متعلق لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں۔ وہ آپ سنتی رہیں لیکن مجھ سے آپ نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ انہوں نے جواب دیدیا۔ بیٹی رنج نہ کرو اگر کوئی خوبصورت عورت کسی ایسے مرد کی زوجیت میں ہو جو اس سے بہت محبت کرتا ہو۔ اور اس کی سوتیں بھی ہوں تو بسا اوقات اس کے متعلق ایسی ایسی خبریں مشہور ہو ہی جاتی ہیں"۔ یہ سن کر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میرے رونے کی آواز سن کر والد اتر کر آئے اور والدہ سے کہنے لگے"۔ اسے کیا ہوا انہوں نے جواب دیا اسے ان باتوں کا علم ہو گیا ہے جو اس کے متعلق مشہور کی جا رہی ہیں یہ سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دو راتیں مجھے مسلسل روتے ہی گزریں۔ میرے والدین برابر میرے پاس بیٹھے رہے ان کا خیال تھا روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائیگا۔ اسی دوران میں حضورؐ تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ عائشہ مجھے تمہارے متعلق اس قسم کی باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے خود تمہاری بریت نازل فرمائے گا۔ اور اگر تم واقعی اس گناہ میں ملوث ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرو۔ کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے معاف کر دیتا ہے

جب حضورؐ اپنی بات ختم کر چکے تو میرے وہ آنسو جو پچھلے کئی دنوں سے جاری تھے یکایک تھم گئے اور مجھے ایسا محسوس ہوا گویا میری آنکھوں میں کوئی قطرہ تھا ہی نہیں

میں نے اپنے والد سے کہا۔ رسول اللہ صلعم کو جواب دیجئے۔ انہوں نے فرمایا میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کہ میں کیا جواب دوں۔ اس پر میں نے والدہ سے کہا۔ آپ جواب دیجئے انہوں نے بھی یہی کہا کہ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ اس پر میں یوں گویا ہوئی آپ لوگوں نے یہ بات اتنے تواتر سے سنی ہے کہ وہ آپ کے دلوں میں راسخ ہو گئی ہے اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات تسلیم نہیں کریں گے لیکن اگر میں کسی گناہ کا اعتراف کر لوں حالانکہ اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ اسے تسلیم کر لیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اس بات کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتی جو یوسفؑ کے باپ نے کہی تھی۔ یعنی فصبر جمیل واللہ المستعان صبر کرنا ہی بہتر ہے اور اللہ ہی میرا مددگار رہے اس کے بعد میں منہ پھیر کر لیٹ گئی مجھے یہ خیال نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں وحی نازل فرمائیگا۔ بلکہ یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلعم کو کوئی ایسا رویا دکھائے گا جس سے میری بریت ظاہر ہو جائیگی۔ اس موقعہ پر ابو بکرؓ نے صرف اتنا کہا۔ عرب کے کسی گھرانے کو اتنی ذلت نہ اٹھانی پڑی ہو گی جتنی ہمیں اٹھانی پڑی ہے! خدا کی قسم! جاہلیت میں بھی ہمارے متعلق ایسی باتیں نہ کی گئی تھیں جو اسلام لانے کے بعد کہی جا رہی ہیں۔

اسی دوران میں رسول اللہ صلعم پر نزول وحی کی حالت طاری ہوئی۔ آپ نے اپنے آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ لیا اور میں نے آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ رکھ دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ حالت جاتی رہی۔ آپ ہنس رہے تھے، اور موتیوں کی مانند پسینے کے قطرے آپ کے چہرے سے گر رہے تھے آپ نے انہیں پونچھا اور پہلی بات منہ سے یہ نکالی۔

عائشہ رضؓ! اللہ تعالےٰ نے تمہاری بریت نازل فرما دی ہے"۔
والدہ نے یہ سن کر مجھ سے کہا۔" کھڑی ہو جاؤ اور رسول اللہ صلعم کا شکریہ ادا کرو"۔ میں نے جواب دیا۔" میں نہ کھڑی ہوں گی اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا شکریہ ادا کروں گی۔ حضورؐ نے میری قمیص پکڑنی چاہی مگر میں نے ایسا نہ کرنے دیا۔ یہ دیکھ میرے والد جوتی لے کر مجھے مارنے کو اٹھے لیکن حضورؐ نے انہیں روک دیا اور مسکرانے لگے۔

حضورؐ نے بھی یہ ایام سخت قلق اور اضطراب کی حالت میں گزارے۔ حضورؐ کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آپ نے صحابہ رضؓ سے اس کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت عمر رضؓ نے نہایت دلیری سے عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ! عائشہ کی شادی آپ سے کس نے کرائی تھی؟ حضورؐ نے جواب دیا۔" اللہ تعالےٰ نے"۔ حضرت عمر رضؓ کہنے لگے۔" تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عائشہ رضؓ کے بارے میں آپ سے نعوذ باللہ دھوکا کرے۔ خدا کی قسم! یہ سب افترا ہے اور ایک عظیم بہتان ہے جو عائشہ رضؓ پر لگایا جا رہا ہے"۔ حضرت عمر رضؓ کے بعد آپ نے حضرت علی رضؓ اور حضرت اسامہ رضؓ کو بلایا اور عائشہ رضؓ سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں ان کی رائے دریافت فرمائی۔ اسامہ بن زید رضؓ نے کہا۔" یا رسولؐ اللہ! وہ آپؐ کی بیوی ہیں، آپ کو اختیار ہے لیکن ہمارا علم تو یہی ہے کہ وہ نیک اور پارسا ہیں۔ ہمیں تو ان میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ حضرت علی رضؓ کہنے لگے۔" یا رسولؐ اللہ! اللہ تعالےٰ نے آپ پر کسی قسم کی تنگی وارد نہیں کی۔ عائشہ رضؓ کے علاوہ اور بھی بہت عورتیں ہیں (جن سے آپ نکاح کر سکتے ہیں) ہاں اگر آپ حقیقی بات دریافت کرنا چاہیں تو لونڈی (بریرہ) سے دریافت کریں وہ آپ کو تمام احوال سے آگاہ کر دیگی۔

حضورؐ نے بریرہ کو بلایا اور ان سے پوچھا "اے بریرہ! کیا تمھیں اپنی مالکہ کی کسی برائی کا علم ہے؟" انہوں نے جواب دیا "یا رسولؐ اللہ! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے آج تک عائشہ رضؓ میں کسی قسم کا عیب نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ وہ نو عمر لڑکی ہیں، آٹا کھلا چھوڑ کر سو جاتی ہیں۔ بکری آتی ہے اور کھا جاتی ہے۔ مگر انہیں پتہ نہیں چلتا۔"

حضورؐ نے عائشہ رضؓ کے بارے میں زینب رضؓ بنت جحشؓ کی رائے بھی دریافت فرمائی۔ جو عائشہ رضؓ کے بعد حضورؐ کی سب سے محبوب بیوی تھیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ "میں وہی کہوں گی جو میرے کانوں نے سنا اور آنکھوں نے دیکھا۔ میں تو عائشہ رضؓ کو بالکل نیک سمجھتی ہوں۔"

حضورؐ کو منافقین کی اس فتنہ پردازی سے تکلیف ہو رہی تھی۔ آخر ایک دن آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا۔

"ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو میرے اہل و عیال پر جھوٹے الزامات لگا کر مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ وہ ایک ایسے آدمی کو متہم گردانتے ہیں جو پاک سیرت ہے میری غیر حاضری میں کبھی میرے گھر میں داخل نہیں ہوا۔ اور سفر کے موقعہ پر ہمیشہ میرے ساتھ رہا۔

حضورؐ کی یہ بات سن کر قبیلہ اوس کے ایک سرکردہ فرد اسید بن حضیر نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

"یا رسولؐ اللہ! اگر ایسے لوگ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں تو ہم خود انہیں سزا دینے کے لئے کافی ہیں اور اگر وہ ہمارے بھائی خزرج میں سے ہیں تو ان کے متعلق آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ ہمارے خیال میں تو وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔"

اس پر قبیلہ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور چیخ کر کہنے لگے۔

"ابن حضیر! تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم ہرگز ان لوگوں کی گردنیں نہیں مار سکتے۔ یہ بات تم نے اس لئے کہی ہے کہ ایسے لوگ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر تمہارے قبیلے اوس سے ان کا تعلق ہوتا تب تم کبھی ایسی بات نہ کہتے۔"

یہ سن کر اوس اور خزرج کے لوگوں میں تُو تُو میں میں ہونے لگی۔ قریب تھا کہ لڑائی ہونے لگتی لیکن حضورؐ نے فریقین کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کر دیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

واقعۂ افک کے متعلق جو روایات کتب احادیث میں مروی ہیں اور غیر مسلموں نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے ہم نے اس کا خلاصہ قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اسے پڑھ کر وہ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس بہتان کی کیا حیثیت تھی حقیقت یہ ہے کہ اس اتہام کے ذریعے صرف حضورؐ کو بدنام کرنا اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈلوانا مقصود تھا، ورنہ یہ کہانی اتنی لغو، بیہودہ، بعید از عقل اور از سرتاپا کذب و افترا کا مجموعہ تھی کہ اس پر معمولی عقل و خرد کا انسان بھی یقین نہیں کر سکتا تھا، کجا یہ صحابہ کرام جیسی عظیم الشان شخصیتیں یقین کر لیتیں۔ حقیقت اس سے زیادہ نہ تھی کہ حضرت عائشہ رضؓ سفر کے دوران میں اتفاق سے پیچھے رہ گئیں اور وہ بھی اس لئے کہ لشکر اچانک روانہ ہو گیا تھا۔ اور سفر کے دوران میں ایسی حالتوں کا پیش آنا قطعًا بعید نہیں ہے۔ اگر محض اس وجہ سے شک و شبہ کی بنیاد قائم کر لی جائے تو پھر ہر اس عورت پر اتہام لگانا آسان ہے جو کسی وجہ سے سفر کے

دوران میں پیچھے رہ جاتے۔ اگر ایسا ہونے لگے تو پھر کسی بھی عورت کی عزت محفوظ نہیں رہ سکتی، اور خبیث الفطرت لوگ اپنے مخالفین سے بدلہ لینے کے لئے اس کی عزت وحسرت کو باسانی خاک میں ملا سکتے ہیں۔

جو لوگ اس قسم کی واہیات باتوں کا یقین کر لیتے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ اپنی عقل کو کام میں لائیں اس قسم کے الزامات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لینا درست نہیں جب تک شواہد اور دلائل سے الزام کامل طور پر ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے متعلق ایک حرف بھی زبان پر لانا معصیت کبیرہ میں داخل ہے۔ اگر منافقین کے الزام میں ذرا بھی صداقت ہوتی تو کوئی نہ کوئی قرینہ ایسا موجود ہونا چاہیئے تھا جس سے اس الزام کی صحت کا یقین کیا جا سکتا۔ لیکن ہزار کوشش کے باوجود وہ کوئی کمزور دلیل بھی اپنے ثبوت میں پیش نہ کر سکے۔"

ہم ان غیر مسلموں سے بھی، جو اس واقعہ کے باعث حضرت عائشہؓ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں، واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ اگر وہ اس واقعہ کو صحیح سمجھتے ہیں تو انہیں یہ ثابت کرنا ہو گا کہ حضرت عائشہؓ اور صفوانؓ دونوں نعوذباللہ اخلاق اور ایمان سے عاری اور حضورؐ کی پیش کردہ تعلیمات کے منکر اور ان سے انحراف کرنے والے تھے۔ لیکن اس حقیقت میں کسے شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور صفوانؓ ایمان اور ایقان کے بلند ترین مقام پر تھے۔ اور ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ ان سے اس قسم کی حرکت کا صدور ممکن ہو سکتا ہے۔

صفوانؓ ایک غیور مسلمان تھے اور حضورؐ اور اسلام کی ہتک کو کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی غیرت ایمانی کا پہلا ثبوت

اس وقت دیا جب غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر ایک چشمے سے پانی لینے کے دوران میں مہاجرین اور ابن سلول کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اس واقعہ کے نتیجے میں حسان بن ثابت نے صفوان کی ہجو کہی۔ اور اسی کے نتیجے میں ابن سلول نے بہتان طرازی کا ناپاک فتنہ پھیلایا۔ وہ بیشتر غزوات میں شریک ہوئے اور بالآخر شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ کتب احادیث میں ایک بھی روایت ایسی نہیں پائی جاتی جس سے ان کے متعلق ذم کا پہلو نکلتا ہو۔ ایسے نیک اور پارسا انسان پر تہمت لگانا ایسے ہی لوگوں کا کام تھا جن کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کا ڈر بالکل اٹھ چکا تھا۔

حضرت عائشہؓ کے متعلق تو کوئی شقی القلب انسان ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کا دل نورِ ایمان سے خالی تھا۔ حضورؐ سے ان کا عشق انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ اور حضورؐ کے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ پر وہ کامل ایمان رکھتی تھیں۔ حضورؐ کے بعد انہیں مسلمانوں کی عملی سیاست میں حصہ لینے اور خونریز جنگوں میں شریک ہونے کا موقعہ ملا۔ اگر انہیں نعوذ باللہ حضورؐ کی باتوں پر یقین اور ایمان نہ ہوتا تو وہ اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لئے بآسانی ایسی حدیثیں وضع کر لیتیں جن سے ان مخالفین کی تنقیص مطلوب ہوتی، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کبھی ایسا نہیں کیا اور ایک بھی جھوٹی حدیث لوگوں کے سامنے بیان نہیں کی۔ کیا یہ ایمانِ کامل اور تقوٰے وطہارت کا ثبوت نہیں؟ اور کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت عائشہؓ کو یقین تھا کہ حضورؐ سے جھوٹی احادیث منسوب کرنے والا اپنے مخالفین کے مقابلے میں کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا۔

جنگِ جمل کا واقعہ کسے یاد نہیں جو حضورؐ کی وفات کے تیس سال بعد

وقوع پذیر ہوئی تھی۔ وہ اپنی فوج کے ہمراہ کوچ کر رہی تھیں کہ راستے میں ایک چشمے کے قریب لشکر پر کتے بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ یہ کون سا چشمہ ہے۔ راہبر نے جواب دیا۔ "یہ حوآب کا چشمہ ہے" یہ سنتے ہی ان پر کچھ عرصے کے لئے سکتہ کی حالت طاری ہو گئی۔ انہوں نے بلند آواز سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، فوراً اپنے اونٹ کو بٹھالیا اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا:

ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

"نہ جانے تم میں سے کس پر حوآب کے کتے بھونکیں گے؟"

یہ حدیث سنا کر بے چینی کے عالم میں کہا:

مجھے لوٹا دو۔ مجھے لوٹا دو کیونکہ میں ہی حضورؐ کی وہ بیوی ہوں جس پر حوآب کے کتے بھونکتے ہیں"

ایک دن رات لشکر اسی جگہ پڑا رہا۔ حضرت عائشہؓ واپسی پر مُصر تھیں لیکن آپ کے ساتھیوں نے کہا تھا کہ راہبر کو غلطی لگی ہے۔ اس چشمے کا نام حوآب نہیں ہے۔ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ انہیں بار بار تسلی دیتے تھے لیکن حضرت عائشہؓ ہر حالت میں مکہ واپس جانا چاہتی تھیں۔ آخر آپ کے ساتھیوں نے لشکر کے بعض لوگوں کو سکھا پڑھا کر آپ کے خیمے کی طرف بھیج دیا اور انہوں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا۔

"لوگو! اپنے بچاؤ کا سامان کر لو، علی ابن ابی طالب کا لشکر قریب پہنچ چکا ہے اور تم پر حملہ کرنے والا ہے"

یہ سن کر حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ کہیں واقعی رہبر غلط تو نہیں کہتا۔

ہو سکتا ہے کہ یہ مقام حوآب کے علاوہ کوئی اور ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لشکر کو حضرت علی رض کے لشکر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ حوآب والی بات حضرت عائشہ رض اور ان کی سوتوں کے علاوہ اور کسی نے نہیں سنی تھی۔ آپ کے لشکر میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا جسے اس بات کا علم ہو۔ اگر وہ چاہتیں تو اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھ سکتی تھیں لیکن ان کی غیرتِ ایمانی نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ حضور کی ایک پیش گوئی کو لوگوں سے پوشیدہ رکھیں گو یہ پیش گوئی خود ان کے متعلق تھی لیکن انہوں نے اس کا برملا اظہار کر دیا۔ اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ خود حضور سے بدعہدی کرتیں اور آپ کی امانت میں خیانت کی مرتکب ہوتیں کیا ایسی صورت میں انہیں اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ اللہ تعالےٰ وحی کے ذریعے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام حالات سے مطلع کر دے گا اور ان کی خیانت چھپ نہ سکے گی۔

مزید برآں، یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ عائشہ رض کس کی بیٹی تھیں۔ وہ اس عظیم القدر انسان کی بیٹی تھیں جس کے خاندان پر زمانہ جاہلیت میں بھی اس قسم کی تہمت نہ لگی تھی کجا یہ کہ زمانہ اسلام میں خود ان کی سگی بیٹی سے ایسا مذموم فعل صادر ہوتا۔

ان قوی دلائل کے باوجود، اگر پھر بھی کوئی بدنصیب اس الزام کی صحت پر اصرار کرتا ہے تو اس کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے کہ آخر صفوان کے حضرت عائشہ رض کے ساتھ مزعومہ تعلقات کب پیدا ہوئے؟ کیا اس رات جب یہ واقعہ پیش آیا۔ اس صورت میں غور کرنے کا مقام ہے کہ آخر صفوان کو ایسی جرأت کس طرح ہو سکتی تھی۔ جبکہ ام المومنین کے رعب و داب کا یہ عالم تھا کہ ہودج والے آواز

دے کر یہ معلوم کرنے کی بھی جرأت نہ کرسکتے تھے کہ ام المومنین اندر ہیں یا نہیں۔ آخر صفوان کے دل میں یہ خیال کیسے آسکتا تھا کہ ام المومنین اپنے محبوب خاوند کی امانت میں خیانت کی مرتکب ہوں گی۔ پھر اگر صفوان نے اپنی ہوس رانی سے مغلوب ہوکر ایسی جرأت کر بھی لی تھی تو رسولؐ اللہ کی بیوی اور صدیقؓ کی بیٹی کے متعلق یہ کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ ایک ایسے شخص کی ہوس رانی کا شکار بننے کے لئے تیار ہوگئی جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ تھا جو اتفاقاً اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

اگر یہ مزعومہ تعلقات دیر سے تھے تو آخر سوکنوں، منافقوں اور حاسدین کی نظروں سے اتنا عرصہ کس طرح پوشیدہ رہے اور صورت میں ان دونوں کے لئے کیا یہی راہ باقی رہ گئی تھی کہ وہ سفر کے دوران میں ایک دوسرے سے ملتے اور عین دوپہر کے وقت لشکر میں داخل ہوتے۔

ان دلائل کے ذکر کرنے کے بعد ہم پھر اسی بات کو دہراتے ہیں کہ یہ الزام اس قدر بیہودہ، لغو اور بعید از عقل ہے کہ منافقین موجودہ زمانے کے متعصب پادریوں اور ایسے غیر مسلم مؤرخین کے سوا جنھیں اسلام اور بانیٔ اسلام سے للّٰہی بغض ہے، اور کوئی خردمند انسان ایک لمحہ کے لئے بھی اس پر یقین نہیں کرسکتا۔

پادریوں، عیسائی مؤرخین اور مستشرقین کا حضرت عائشہؓ پر اعتراض کرنا اور بھی زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ وہ بھی مریمؑ اور مسیحؑ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت مریمؑ پر بھی اسی قسم کا بہتان لگ چکا ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ پر لگا تھا۔

واقعہ افک پر مفصل بحث ہم نے اس لئے کی ہے کہ حضرت عائشہؓ کی زندگی

کا یہ واقعہ تاریخ اسلام میں زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ اس واقعہ نے آپ کے دل پر وہ اثر ڈالا جو تمام عمر دور نہ ہو سکا۔ بعد میں جو واقعات و حوادث پیش آئے ان میں بھی اس واقعہ کا اثر کسی حد تک کارفرما نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی مؤرخ اس پر سنجیدگی سے بھی نظر نہ ڈالتا۔ کیونکہ یہ الزام اس قابل ہی نہیں کہ کوئی سنجیدہ اور باشعور انسان اس پر ایک لمحہ کے لئے بھی یقین کر سکے۔

بیوگی کا زمانہ

رسولؐ اللہ صلعم کے بعد حضرت عائشہؓ چھیالیس برس زندہ رہیں اور ستّر سال کی عمر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئیں۔

حضورؐ انہی کے حجرے میں، ان ہی کی باری والے دن اور عین اس جگہ دفن ہوئے جہاں آپؐ نے وفات پائی تھی۔

مرض کی شدّت کے پیشِ نظر اکثر لوگوں کو یہ علم ہو چکا تھا کہ یہ حضورؐ کی آخری بیماری ہے۔ لیکن وفات سے کچھ عرصہ قبل حضورؐ کی طبیعت کسی حد تک سنبھل گئی تھی، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اجازت لے کر اپنے گھر واقع سُنح چلے گئے اور دیگر مسلمان بھی مطمئن ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر پہلے کسی کو سان و گمان بھی نہ تھا کہ حضورؐ اس قدر جلد وفات پا جائیں گے۔

آپ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں:

"میں رسول اللہ صلعم کو سنبھالے بیٹھی تھی کہ یکایک مجھے حضورؐ کا جسم بوجھل محسوس ہوا۔ میں نے آپؐ کے چہرے کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ حضورؐ کی آنکھیں پھٹ گئی ہیں۔ وفات کے وقت حضورؐ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے:

"بل الرفیق الاعلیٰ من الجنۃ" (اب تو بڑا رفیق ہی درکار ہے) یہ سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپؐ نے تو ہم سے کنارہ کشی ہی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ حضورؐ وفات پا گئے تو میں نے آہستہ سے آپؐ کا سر تکیہ پر رکھ دیا۔ اس وقت میری زبان سے بے اختیار جزع فزع کے کچھ الفاظ بھی نکل گئے۔

رسول اللہ صلعم کی تدفین دو روز تک نہ ہو سکی کیونکہ اس بات کا فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ آپؐ کے لئے قبر کھودی جائے یا لحد بنائی جائے۔ اہلِ مکہ میں قبر کھودنے کا رواج تھا اور اہلِ مدینہ میں لحد بنانے کا۔ دونوں فریق چاہتے تھے کہ حضورؐ کو اپنے طریق پر دفن کریں۔ بالآخر حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے ایک آدمی ابوعبیدہ بن جراح کے پاس اور ابوطلحہ کے پاس بھیجا۔

ابوعبیدہ مکہ والوں کے طریق پر قبر کھودتے تھے اور ابوطلحہ اہل مدینہ کی طرح لحد بناتے تھے۔ جو آدمی ابوطلحہ کو لینے کے لئے بھیجا گیا تھا وہ فوراً انہیں اپنے ساتھ لے کر آ گیا۔ لیکن دوسرا آدمی جو ابوعبیدہ کی طرف بھیجا گیا تھا وقت پر نہ پہنچا۔ چنانچہ ابوطلحہ نے مدینہ والوں کے طریق پر لحد بنائی، اور رات کے وقت حضورؐ کے جسم مبارک کو ہمیشہ کے لئے خاک میں چھپا دیا گیا۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رات کے وقت جب ہمیں کدالوں کے چلنے کی آواز آئی، تب ہم نے سمجھ لیا کہ حضورؐ کو دفن کر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس خاکدانِ فانی سے ملاء اعلیٰ کو روانہ ہو گئے لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنا وہ حجرہ چھوڑنا ناگوار نہ کیا جہاں انہوں نے اپنی زندگی کے بہترین دن گذارے تھے اور جہاں ان کا محبوب شوہر ابدی نیند

سورہا تھا، جب تک وہ زندہ رہیں حضورؐ کی مجاور بنی رہیں۔ حضورؐ کے بعد ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بھی اسی حجرے میں آپؐ کے پہلو بہ پہلو دفن ہوئے۔ اس دوران میں وہ بے حجابانہ وہاں آتی جاتی تھیں، لیکن تیرہ برس بعد جب حضرت عمر رضؓ بھی اسی حجرے میں اپنے دونوں ساتھیوں کے برابر میں دفن ہوئے تو حضرت عائشہ رضؓ نے وہاں بے پردہ آنا چھوڑ دیا۔ جب جاتیں تو نقاب پہن کر جاتیں۔

حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ قریبًا دس سال گزارے اور تقریبًا پچاس سال کا عرصہ آپ کی یاد میں بیوگی کی حالت میں بسر کیا۔ اس دوران میں ایک ثانیہ کے لئے بھی ان کے دل میں دوسرا نکاح کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ انہیں حضورؐ کی حرمت کا پاس تھا اور جو عہدِ وفا انہوں نے آپ سے باندھا تھا اسے توڑنے کا خیال کسی طرح ان کے دل میں پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ ان امور کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بھی سورۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو دوسرا نکاح کرنے کی ممانعت فرما دی تھی۔

بیوگی کا طول طویل زمانہ حضرت عائشہ رضؓ نے فراغت کے عالم میں نہیں گذارا۔ ان کی سرشت ہی اس قسم کی تھی کہ وہ اپنے وقت کو بیکار ضائع نہیں کر سکتی تھیں۔ دس سال کے عرصہ میں انہوں نے رسول اللہ صلعم سے جو علم سیکھا تھا، اب اس سے کام لینے کا وقت آگیا تھا۔ چنانچہ فتنۂ ارتداد کے فرو ہونے کے بعد جب مسلمانوں کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے علومِ دینیہ کی تحصیل کی طرف توجہ کی۔ چونکہ حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلعم سے براہِ راست امورِ دینیہ کی تعلیم حاصل کی تھی اور ان سے بڑا مجتہد اور فقیہہ اس

زمانے میں اور کوئی نہ تھا اس لئے ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی۔ دینی مسائل دریافت کرنے والوں اور رسول اللہ صلعم کی احادیث سننے والوں کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا تھا۔ اس طرح حضرت عائشہ رض کے شب و روز لوگوں کا علوم دینیہ سے آگاہ کرنے اور حضور ص کی احادیث سنانے میں صرف ہونے لگے۔ اس مفید اور ضروری کام سے جو وقت بچتا وہ آپ تسبیح و تحمید اور عبادت و ریاضت میں گذار دیتیں۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضور ص کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کا زمانۂ خلافت حضرت عائشہ رض نے بالکل اسی طرح گزارا جس طرح حضور ص کے زمانے میں گزارا کرتی تھیں۔ ان دونوں خلفاء کے عہد میں ان کے مرتبے میں ذرا فرق نہ آیا اور کسی بھی سیاسی یا ملکی کام میں انہیں دخل دینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ لیکن حضرت عثمان رض کے عہد میں حالات نے مختلف صورت اختیار کر لی اور حالات کے اس تغیّر نے حضرت عائشہ رض کے معمولات میں بھی تغیّر پیدا کر دیا۔

حضرت ابوبکر رض کے عہد میں سیاست کی بنیاد سراسر احکام دین پر تھی اور آپ اور آپ کے ساتھی احکامِ دین سے سرِ مو تجاوز نہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر رض حضرت عائشہ رض کے والد تھے اس لئے انہیں سیاسی امور میں دخل اندازی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

حضرت عمر رض کے عہد میں اگرچہ سیاست کی گرم بازاری نے وسعت اختیار کر لی تھی تاہم حالات خواہ کیسی بھی صورت اختیار کر جاتے لیکن ان کے بگڑنے کا خطرہ نہ تھا کیونکہ لوگوں کے دلوں پر حضرت عمر رض کی ہیبت طاری تھی، اور وہ آپ کے آگے چوں بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی بات

یہ بھی کہ ان کے اور حضرت عائشہ رضؓ کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کی دوستی نے ان کی اولاد پر بھی گہرا اثر ڈالا تھا۔ اور حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت حفصہ رضؓ سوتیں ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بہنوں کی طرح محبت کرتی تھیں۔ واقعہ افک کے موقعہ پر حضرت عمر رضؓ نے جو رویہ اختیار کیا تھا اس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضؓ ان کی بے حد ممنون تھیں۔ چنانچہ جب حضورؐ نے اس بارے میں حضرت عمر رضؓ کی رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے جواب دیا:

"یا رسولؐ اللہ! آپ دونوں کی شادی اللہ تعالےٰ نے کرائی ہے۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نعوذ باللہ آپ کو دھوکا دیتا اور ایک ایسی عورت سے آپ کی شادی کرا دیتا جو اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتی۔"

اس کے بعد جب ان کا اپنا زمانہ خلافت آیا تب بھی انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ وظائف کی تقسیم میں آپ انہیں مقدم رکھتے تھے اور ان کی ضروریات کا ہر طرح خیال رکھتے۔

حضرت عائشہ رضؓ پر حضرت عمر رضؓ کے حسن سلوک کا اس قدر اثر تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے دعا مانگی کہ "یا اللہ! عمر رضؓ کے احسانات مجھ پر اتنے زیادہ ہوگئے ہیں کہ ان کا بدلہ کسی صورت میں ادا نہیں کرسکتی تو آئندہ مجھے ان احسانات کا بوجھ اٹھانے کے لئے زندہ نہ رکھیو!"

پس حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے عہد میں نہ تو حالات نے ایسا رُخ اختیار کیا کہ حضرت عائشہ رضؓ کو سیاست میں حصہ لینے کی ضرورت پیش آتی اور نہ ان کی روزمرہ کی زندگی میں کسی قسم کا تغیر واقع ہوا جس کے باعث ان کے لئے سیاسیات میں حصہ لینا ضروری ہوجاتا۔

البتہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں حالات یکسر مختلف ہو گئے اور حضرت عائشہؓ کے لئے سیاست میں حصہ لینا ضروری ہو گیا۔ اگر حالات میں تغیر واقع نہ ہوتا تو حضورؐ کے بعد حضرت عائشہؓ کبھی بھی سیاست میں حصہ نہ لیتیں اور اپنی تمام عمر سنتِ نبویؐ اور احکامِ دین کی تعلیم دینے میں گذار دیتیں۔

ملکی سیاست میں حضرت عائشہؓ کا حصہ

ہم نے پچھلی فصل میں بتایا تھا کہ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کا کوئی لمحہ بے کار نہیں گذرا بلکہ وہ برابر امت کی تلقین و تعلیم میں مصروف رہیں۔ اول تو ان کی طبیعت ہی اس قسم کی تھی کہ وہ بیکار بیٹھ ہی نہیں سکتی تھیں اور یہ چیز انہوں نے وراثۃً اپنے محترم والد سے حاصل کی۔ دوسرے ان کی عظیم القدر شخصیت بھی اس امر کی متقاضی تھی کہ حضورؐ کے بعد امت کی تعلیم و تربیت کا کام اپنے ہاتھ میں لیتیں اور حضورؐ کی صحبت میں رہ کر انہوں نے دین کا جو علم حاصل کیا تھا اس سے دوسرے لوگوں کو بھی آگاہ کرتیں، اور تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے یہ عظیم دینی فریضہ بحد خوش اسلوبی سے ادا کیا۔

حضرت عائشہؓ کو اللہ تعالیٰ نے جس بلند مرتبہ پر سرفراز فرمایا تھا اس کا تقاضا یہ بھی تھا کہ امت کے لوگوں میں ان کی وہی قدر و منزلت ہوتی جس کی وہ مستحق تھیں۔ وہ حضورؐ کی سب سے محبوب بیوی اور ام المومنین تھیں۔ اس لحاظ سے ان کا مرتبہ عرب کے معزز ترین خاندان کے افراد سے بھی بلند تر تھا اور ان کا ادب و احترام ہر مسلمان پر فرض تھا۔

اگر اربابِ حل و عقد اس حقیقت کو اپنے پیشِ نظر رکھتے اور ان کے دلوں میں حضرت عائشہ رضؓ کا وہی ادب و احترام ہوتا جس کی ام المومنین قرار واقعی مستحق تھیں تو نہ صرف یہ کہ لوگوں کو اس ہستی سے فیضیاب ہونے کا موقعہ ملتا رہتا جس کے سینے میں اسرار نبوت پنہاں تھے اور جو مخزنِ علم نبوی تھی بلکہ وہ ناگوار واقعات بھی پیش نہ آتے جن کے باعث مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کی ایک ناقابلِ عبور خلیج حائل ہوگئی۔

سیاست کا ایک زریں اصول یہ ہے کہ قوم کو اپنے محسنوں، بے لوث خادموں اور بے غرض راہبروں کی قرار واقعی تعظیم و تکریم کرنی چاہیئے اور رعایا کے کسی فرد اور حکومت کے کسی رکن کی جانب سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونی چاہیئے جس سے اس قابلِ احترام ہستی کی تنقیص اور تذلیل ہوتی ہو کیونکہ بے لوث کارکنوں کی ذلت ان کی نہیں، دراصل پوری قوم کی ذلت ہوتی ہے۔

سیاست کا یہی اصول یہاں بھی چسپاں ہوتا ہے۔ دانشمندی اور ہوشیاری کا تقاضا یہ تھا کہ کسی جانب سے بھی حضرت عائشہ رضؓ کی توقیر اور احترام میں فرق نہ آنا چاہیئے تھا۔ وہ بدستور علم کے خزانے لوگوں کے سامنے لٹاتی رہتیں اور دستور اسلامی کی ترتیب میں اربابِ حل و عقد کا ہاتھ بٹاتیں لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ شیخین کے زمانے تک حضرت عائشہ رضؓ کے رتبہ میں کوئی فرق نہ آیا لیکن بعد میں حالات پلٹ گئے اور ان کی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔

حضرت عثمان رضؓ کے عمال کی بے تدبیری اور کم سوادی کے باعث حضرت عائشہ رضؓ کو بہت سی مشکلات اور مصائب میں سے گزرنا پڑا۔ سب سے پہلا کام تو انہوں نے یہ کیا کہ اس وظیفہ میں کمی کر دی جو حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں انہیں ملا کرتا تھا۔ معلوم

ایسا کرنے میں انہوں نے کیا مصلحت سمجھی اور حکومت کی ایسی کون سی ضروریات تھیں جو حضرت عائشہ رضؓ کے وظیفہ کی وجہ سے رکی ہوئی تھیں۔

اگر خزانہ میں مال و دولت کی کمی ہوتی یا ملکی ضروریات اس امر کی مقتضی ہوتیں کہ وظائف اور عطیات میں کمی کر دی جائے تب ایسا کرنے میں کوئی ہرج نہ تھا اور اس صورت میں حضرت عائشہ رضؓ کو بھی کوئی اعتراض پیدا نہ ہوتا لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا۔ خزانہ درہم و دینار سے پُر تھا اور ہر چہار جانب سے مال و دولت کے انبار چلے آرہے تھے۔ ڈھائی لاکھ دینار سالانہ صرف افریقہ سے وصول ہوتے تھے۔ اسی رقم سے دیگر علاقوں کے خراج کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایسی صورت میں جبکہ خزانہ مال و دولت سے بھرپور ہوا و سلطنت کی آمدنی میں بے پناہ اضافہ ہو، اگر بغیر وجہ بتلائے کسی کے وظیفہ سے کمی کر دی جائے تو اسے رنج ہونا لازمی ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ کو بھی بالطبع اس کا رنج تھا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت عائشہ رضؓ کو مال و دولت کی حرص تھی۔ انہوں نے نہ کبھی مال و دولت جمع کیا اور نہ اس کی کوئی حقیقت سمجھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ان کے پاس ماہانہ وظیفہ آتا اور وہ اسی وقت اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتیں اور اپنے لئے کچھ بچا کر نہ رکھتیں۔

مال و دولت کی محبت سے ان کا دل اس قدر سرد تھا کہ وہ نہ صرف خود مال جمع کرنے سے پرہیز کرتیں بلکہ صحابہ رضؓ کو بھی نصیحت کرتی رہتی تھیں کہ خواہ تجارت یا وراثت کے ذریعہ وہ کتنے ہی مال دار کیوں نہ ہو جائیں لیکن مال و دولت جمع کرنے سے احتراز کریں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضورؐ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ مدینہ آیا۔ اس قافلہ میں سات سو اونٹ تھے

جن پر گندم، آٹا اور کھانے پینے کی اشیاء لدی ہوئی تھیں حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کا خیال تھا کہ اسے بیچ کر نفع حاصل کریں لیکن حضرت عائشہ رضؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے انہیں بلا کر خفگی کا اظہار کیا اور عبدالرحمٰن نے فوراً اس تمام سامان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دینے کا اعلان کر دیا۔

پس حضرت عائشہ رضؓ کی ناراضی کا سبب یہ نہ تھا کہ انہیں مال کی طمع اور دولت جمع کرنے کی حرص تھی بلکہ آپ کو رنج تھا تو یہ کہ زوجۂ رسولؐ اللہ اور اُمّ المومنین ہونے کے لحاظ سے جو قدر و منزلت آپ کی ہونی چاہیئے تھی اس میں بلاوجہ کمی آگئی ہے۔

ادھر ملک کے طول و عرض میں حضرت عثمان رضؓ کے مقرر کردہ والیوں کے خلاف نفرت کا ایک بے پناہ جذبہ پھیل رہا تھا۔ بعض کے متعلق یہ شکایت تھی کہ انہیں دین سے ذرا بھی مَس نہیں، اور بعض کے متعلق یہ کہا جا رہا تھا کہ ان کی ساری توجہ محض اپنے عیش و آرام کی طرف ہے اور رعایا کی فلاح و بہبود کا انہیں مطلق خیال نہیں۔ لوگ اپنے اپنے علاقوں کے والیوں کی شکایتیں لے کر مدینہ آتے اور خلیفہ کے علاوہ صحابہ کرام کے سامنے بھی اپنی تکالیف کا اظہار کرتے۔ چونکہ حضرت عائشہ رضؓ مدینہ کی معزز ترین شخصیت تھیں اس لئے وہ لوگ آپ کے پاس بھی آتے اور اپنے والیوں کی شکایات بیان کرتے۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ لوگ حضرت عثمان رضؓ کے سوتیلے بھائی ولید بن عقبہ کی شکایت لے کر دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں کی شکایت یہ تھی کہ ولید نے ایک مرتبہ شراب کے نشے میں لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا دی اور نماز کے بعد ان سے کہنے لگا "اگر چاہو تو میں زیادہ رکعتیں بھی پڑھا سکتا ہوں کیونکہ آج

میری حالت بہت نشاط انگیز ہے۔" لیکن حضرت عثمان رضؓ کے مصاحبین اور صلاح کاروں نے ولید کے متعلق ان الزامات کو درست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "تمہاری یہ عادت بن گئی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے حاکم سے ناراض ہوتا ہے تو جھٹ اس پر کوئی تہمت دھر دیتا ہے۔" یہ کہہ کر ان لوگوں کو وہاں سے نکال دیا۔

وہ لوگ وہاں سے حضرت عائشہ رضؓ کے پاس آتے اور سارا ماجرا انہیں سنایا۔ انہوں نے انہیں تسلی تشفی دی اور اپنے گھر کے ایک حصے میں انہیں ٹھیرنے کیلئے جگہ بھی دیدی۔ صبح کے وقت جب حضرت عثمان رضؓ مسجد میں تشریف لائے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کے گھر میں ان لوگوں کو بہت تند و تیز باتیں کرتے سنا۔ انہیں بےحد طیش آیا اور کہا "عراق کے بے دین اور فاسق و فاجر لوگوں کو عائشہ رضؓ کے گھر کے علاوہ اور کہیں پناہ نہیں ملتی[1]۔" حضرت عائشہ رضؓ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور کہا: "عثمان! تم نے رسول اللہ صلعم کی سنت کو ترک کر دیا۔" جب لوگوں نے یہ شور و غوغا سنا تو انہوں نے مسجد کا رُخ کیا اور تھوڑی ہی دیر میں تمام مسجد بھر گئی۔ بعض لوگ کہنے لگے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے جو کیا ٹھیک کیا۔" لیکن بعض لوگوں کی یہ رائے بھی

---

[1] یہ روایت اس شخص کے متعلق بیان کی جارہی ہے جس کی نرم دلی اور عفو و درگذر کی پالیسی سے ناجائز فائدہ اٹھاکر مفسدین اور فتنہ پردازوں نے ایک عظیم بغاوت کھڑی کر دی اور خلیفۃ المسلمین کو بھی شہید کرنے سے دریغ نہ کیا۔ حضرت عثمان رضؓ تو وہ شخص تھے جنھوں نے جان دینا گوارا کر لی لیکن اپنی حمایت میں کسی شخص کو ہتھیار تک اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ یہ واقعات تاریخ کا ایک کھلا ورق ہیں ان کی موجودگی میں یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اس موقعہ پر وہ اتنے مغلوب الغضب ہوگئے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کی شان میں اتنے نازیبا الفاظ کہنے سے بھی دریغ نہ کیا جن سے نہ صرف حضرت عائشہ رضؓ کی حد درجہ توہین ہوتی تھی بلکہ خود ان کی سخت بدنامی تھی۔ (مترجم)

کہ عورتوں کو ان معاملات میں دخل دینا نہیں چاہیے"۔ اس بحث و مباحثہ نے اتنی شدت اختیار کرلی کہ آپس میں تلخ کلامی تک نوبت پہنچ گئی آخر چند صحابہ حضرت عثمان کے پاس گئے اور انہوں نے زور دیا کہ وہ اپنے بھائی ولید کو معزول کردیں ورنہ فتنہ بڑھ جائے گی۔

اہل عراق کی طرح اہل مصر بھی اپنے عامل عبداللہ بن ابی سرح کی شکایتیں لیکر مدینہ آئے اور انہوں نے خلیفہ سے عرض کیا کہ عبداللہ نے ایک ایسے شخص کو قتل کرا دیا ہے جو آپ کے پاس اس (عبداللہ) کی شکایت لے کر آیا تھا۔ حضرت عثمان رض کے پاس سے یہ وفد حضرت عائشہ رض کے پاس گیا اور ان سے اپنی شکایتیں بیان کیں۔ حضرت عائشہ رض نے حضرت عثمان رض کو کہلا بھیجا کہ صحابہ رسول اللہ نے آپ سے بمنت عرض کیا تھا کہ آپ عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر دیں لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ اب اس نے ایک بے گناہ آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ ان لوگوں کا انصاف کریں۔

مصر سے آئے ہوئے یہ لوگ نماز کے وقت نمازیوں کے سامنے اپنی شکایات پیش کرتے، ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا دکھڑا روتے اور کبار صحابہ رض کے پاس جا کر جا کر اپنے عامل کے حقیقی اور مفروضہ داستانیں مظالم کی سناتے۔ اس طرح مدینے میں ایک ہیجان برپا ہوگیا اور صحابہ رض نے حضرت عثمان رض سے اصرار کیا کہ وہ عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے کسی اور شخص کو مصر کا والی بنا دیں۔ آخر حضرت عثمان رض نے مصریوں کے مطالبے پر عبداللہ بن ابی سرح کی جگہ حضرت عائشہ رض کے بھائی محمد بن ابوبکر کو مصر کا عامل نامزد کردیا۔ اور پروانہ نامزدگی بھی اسے دیدیا۔ لیکن یہی نامزدگی اس عظیم حادثے کا سبب بن گئی جس کے نتیجے میں حضرت عثمان رض کی شہادت کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔

واقعہ اس طرح ہؤا کہ جب اہلِ مصر مدینے سے واپس جا رہے تھے تو انہیں راستے میں ایک غلام ملا۔ اس کی بعض حرکات سے انہیں شبہ پیدا ہؤا اور انہوں نے اسے روک کر اس کی جامہ تلاشی لی۔ تلاشی لینے پر اس کے پاس سے ایک خط برآمد ہؤا جس پر مہرِ خلافت ثبت تھی۔ یہ خط عاملِ مصر عبداللہ بن ابی سرح کے نام تھا اور اس میں یہ عبارت مرقوم تھی۔

"جب محمد بن ابوبکر اور اس کے ساتھی تمہارے پاس پہنچیں تو انہیں قتل کر ڈالنا، اور جو پروانہ نامزدگی اس کے پاس ہے اسے منسوخ سمجھنا اور جب تک دربارِ خلافت سے تمہارے پاس واضح حکم نہ پہنچے، بدستور اپنے عہدے پر کام کرتے رہنا۔"

اس خط کا بھید آج تک صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ اغلب گمان یہ ہے کہ یہ خط مروان بن حکم نے حضرت عثمان کے علم اور ان کی مرضی کے بغیر خود لکھ کر غلام کے ہاتھ عبداللہ کو بھجوا دیا[1]۔

بہرحال، اس خط سے تمام صحابہ کبار اور حضرت عائشہ رضؓ کو سخت رنج پہنچا، اور اس دن کے بعد سے فتنہ نے ایسی خطرناک صورت اختیار کر لی جسے فرو کرنا حضرت عثمان رضؓ اور ان کے ساتھیوں کے بس کی بات نہ رہی۔

مندرجہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں نظامِ حکومت کی ابتری نے حضرت عائشہ رضؓ کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی تھی

---

[1] یہ درست نہیں۔ یہ خط فتنہ پردازوں کے ایک بہت بڑے سرغنہ عبداللہ بن سبا کی تراوش طبع کا نتیجہ تھا اور اس کا حتمی ثبوت یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے بھی جعلی خطوط بنا کر حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی کوشش کر چکا تھا۔ (مترجم)

کہ وہ حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کے زمانوں کی طرح اپنے آپ کو موجودہ سیاست سے ہم آہنگ نہ کر سکیں اور انہیں مجبوراً حضرت عثمان رض، ان کے والیوں اور حاشیہ برداروں کے خلاف زبان کھولنی پڑی۔ اس صورت حال کے پیدا کرنے میں سب سے بڑا حصہ حضرت عثمان رض کے ان نادان مشیروں اور صلاح کاروں کا تھا جنھوں نے دانستہ یا نادانستہ حضرت عائشہ رض کو اس مقام سے گرانے کی کوشش کی جو انھیں امت میں حاصل تھا۔ یہی نہیں بلکہ باہر سے جو لوگ شکایتیں لے کر مدینہ آتے تھے، انہیں بزور حضرت عائشہ رض کے پاس جانے اور اپنی شکایتیں پیش کرنے سے روکا۔ لیکن سب سے بڑی قبیح حرکت انہوں نے اس سلسلہ میں یہ کی کہ بلا سوچے سمجھے ان کے بھائی کی جان لینے کی کوشش کی اور حاکم مصر کے نام اس کے قتل کے احکام جاری کر دیئے۔

ہمیں کامل یقین ہے کہ حضرت عثمان رض اس دسیسہ کاری سے بالکل بری تھے۔ کیونکہ وہ نیکی اور پرہیزگاری کے اس بلند مقام پر تھے کہ ان سے کبھی اس قسم کی حرکت سرزد نہ ہو سکتی تھی۔ وہ شخص جو اپنی جان بچانے اور اس عظیم خطرے سے بچنے کے لیے جو اس کے گرد منڈلا رہا تھا خون کا ایک قطرہ گرنے سے پرہیز کرتا ہے اس کے متعلق یہ گمان کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے دوست اور پیارے ساتھی کے بیٹے کے قتل کا حکم دیگا جب کہ اس کا گناہ بھی اس سے زیادہ نہ تھا کہ اہل مصر نے عبداللہ بن ابی سرح کی بجائے اس کا نام ولایت مصر کے لئے پیش کیا تھا۔

نہ معلوم حضرت عثمان رض کے حاشیہ برداروں نے محمد بن ابوبکر کو قتل کرانے میں کیا مصلحت سمجھی تھی اور ایسا غیر دانشمندانہ حکم انہوں نے کس فائدے کی خاطر دیا تھا بہرحال اس سلوک کی موجودگی میں اگر حضرت عائشہ رض نے حضرت عثمان رض کے عمال اور کارندوں سے اپنی بیزاری اور حضرت عثمان رض سے اپنی آزردگی کا اظہار کیا ہو تو تعجب

نہیں چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ تقریر کر رہے تھے. جب حضرت عائشہؓ نے ان کی آواز سنی تو ضبط نہ کر سکیں اور حضورؐ کی قمیص ہاتھ میں پکڑ کر کہا:

اے لوگو! یہ حضورؐ کی قمیص ہے لیکن آج تک بوسیدہ نہیں ہوئی لیکن عثمانؓ نے آپ کی سنت کو بوسیدہ اور کہنہ کر دیا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے حضرت عثمانؓ کے حاشیہ برداروں کا سلوک اسی طرح جاری رہا۔ آخر جب پانی حد سے گذر گیا تب انھیں ہوش آیا اور معلوم ہوا کہ اب تک وہ کس ہولناک غلطی کے مرتکب ہوتے رہے تھے۔ لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔

جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپ کے گھر پانی لے جانا بالکل روک دیا تو حضورؐ کی ایک زوجہ محترمہ اور حضرت عائشہؓ کی سوت حضرت ام حبیبہؓ ایک خچر پر پانی کی ایک مشک لے کر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف روانہ ہوئیں۔ باغیوں نے آپ کو روک لیا اور پوچھا "آپ کہاں جا رہی ہیں؟" انہوں نے جواب دیا: "عثمان کے پاس بنوامیہ کے یتیم اور بیواؤں کی بعض امانتیں ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ضائع نہ ہو جائیں۔ میں ان کے متعلق دریافت کرنے جا رہی ہوں۔" یہ سن کر باغیوں نے کہا. تم جھوٹ بولتی ہو (نعوذ باللہ) یہ کہہ کر انہوں نے تلوار سے خچر کی رسی کاٹ دی۔ قریب تھا کہ وہ خچر سے گر کر اس کے پاؤں میں روندی جاتیں کہ بعض معزز لوگوں نے دوڑ کر انہیں پکڑ لیا اور ان کے گھر پہنچا دیا۔

اس خطرناک فتنے کے دوران میں حضرت عائشہؓ نے مدینہ میں رہنا مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے حج کی تیاری کی اور اپنے اور اپنے بھائی محمد بن ابوبکر کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہا[1]۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اس لئے وہ مجبوراً اکیلی ہی مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئیں۔

---

[1] فٹ نوٹ صہ۱۳۱ پر ملاحظہ کریں۔

اس وقت فتنہ کی اصل جڑ — مروان بن حکم — حضرت عائشہ رض کے پاس آیا اور کہا "ام المومنین! اگر آپ اس وقت مدینہ نہ چھوڑتیں تو مناسب تھا کہ فتنہ بڑھ رہا ہے اور عثمان کی جان خطرے میں ہے۔ اگر آپ یہاں رہیں تو ممکن ہے فتنہ کے سدباب میں کچھ مدد مل سکے۔ لیکن حضرت عائشہ رض نے مدینہ میں ٹھہرنے سے معذوری ظاہر کی اور فرمایا۔

"کیا تم چاہتے ہو کہ مجھ سے بھی وہی سلوک کیا جائے جو ام حبیبہ رض سے کیا گیا۔ ایسی صورت میں مجھے تو کوئی بچانے والا بھی نہ ہوگا۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ مروان کو اس نازک وقت میں فیاضی اور سخاوت کا خیال بھی آگیا۔ وہ حضرت عائشہ رض کے پاس گیا اور ان سے مدینہ میں تعلیم دینے کی التجا کی۔ انہوں نے جواب دیا "میں حج کے لئے جا رہی ہوں اور تمام سامان تیار کر چکی ہوں۔" اس نے کہا "آپ اس کی فکر نہ کریں حج کی تیاری میں آپ نے جس قدر رقم خرچ کی ہے میں اس سے دگنی رقم آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

اس روایت کے بموجب حضرت عائشہ رض اس وقت اپنے آپ کو ضبط نہ کر سکیں اور انہوں نے کہا:

"تمہارا یہ خیال کہ میں تمہارے صاحب (حضرت عثمان رض) کے بارے میں شک میں ہوں۔ خدا کی قسم! میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ میں طاقت ہو تو میں انہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں۔"

۱؎ (فٹ نوٹ صـ۱۳۳) حضرت عائشہ رض کی اپنے بھائی کو مکے جانے کی کوشش سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فتنہ کا زور کم کرنے کی کس درجہ خواہش مند تھیں۔ محمد بن ابو بکر کا شمار فتنہ کے سرغنوں میں ہوتا تھا اور اس کے مدینے سے چلے جانے کا مطلب یہ تھا کہ باغی اپنے ایک سرکردہ رکن کی اعانت سے محروم رہ جاتے۔ (مترجم)

اسی پر بس نہیں بلکہ اسی قسم کی اور بھی بہت سی روایات حضرت عائشہ رض کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں چنانچہ ایک روایت میں تو یہاں تک آتا ہے کہ حضرت عائشہ رض نے کہا :

"نعثل (حضرت عثمان رض) کو قتل کر ڈالو کیونکہ وہ کفر کا مرتکب ہوا ہے نیز یہ کہ جو شخص بھی ان سے ملتا وہ اسے حضرت عثمان رض اور ان کے ساتھیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی ترغیب دیتی تھیں"

لیکن یہ تمام روایات ناقابلِ اعتماد ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انھیں حضرت عثمان رض کے کارکنوں کے طرزِ عمل سے شکایت تھی اور بس۔

اس فتنہ کے متعلق حضرت عائشہ رض سے جو روایات منسوب کی گئی ہیں وہ اکثر و بیشتر شک و شبہ سے خالی نہیں اور اس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں :

حضرت علی رض نے اپنے عہد میں محمد بن ابوبکر کو مصر کا والی بنا کر بھیجا تھا۔ مصر پہنچنے پر معاویہ رض کی فوجوں سے جنگ پیش آئی جس میں اسے شکست فاش اٹھانی پڑی اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ بنو امیہ نے پہلے تو اس کے پاؤں پکڑ کر شہر میں گھسیٹا، پھر خوب پیاسا رکھ کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کی لاش کو گدھے کی کھال میں سی کر آگ پر رکھ کر بھونا اور اس کی خون آلودہ قمیص حضرت عثمان رض کی بیوی نائلہ کے پاس بھیج دی۔ اس واقعہ کے بعد جب عید آئی تو معاویہ بن خدیج کی بہن نے ایک بھیڑ کا بچہ ذبح کر کے اس کا گوشت بھونا اور ایک آدمی کے ہاتھ وہ بھنا ہوا گوشت حضرت عائشہ رض کی خدمت میں روانہ کیا۔ ساتھ ہی یہ پیغام بھی بھیجا کہ آپ کے بھائی کو اسی طرح بھونا گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عائشہ رض نے پھر کبھی بھنا ہوا گوشت نہیں کھایا اور قسم کھائی کہ جب تک زندہ رہیں گی بھنے ہوئے گوشت کو ہاتھ تک نہ لگائیں گی۔

جب مسلمانوں کو محمد بن ابوبکر رضؓ کے ساتھ بنو امیہ کے اس دردناک اور وحشیانہ سلوک کا علم ہوا تھا تو ان کے دل جوشِ انتقام سے بھر گئے۔ اب ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا اور وہ نئے حاکموں کے ہاتھوں حضرت عائشہ رضؓ کی مزید ذلت برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ادھر بنو امیہ کو بھی ہوش آیا اور انہیں محسوس ہوا کہ ان کے بعض بیوقوف اور عقل و خرد سے عاری افراد کی کارستانیوں کے نتیجے میں حالات بگڑ چکے ہیں لیکن بہرحال بزرگوں کی عزت کا سوال تھا۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ عثمان رضؓ کے اہل کاروں کے سلوک کو حق بجانب ٹھہرانے کے لئے یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ حضرت عثمان رضؓ کے خلاف فتنہ پھیلانے میں سب سے بڑا ہاتھ حضرت عائشہ رضؓ کا تھا۔ اس غرض کے لئے انہوں نے عجیب و غریب روایات گھڑ کر حضرت عائشہ رضؓ کی طرف منسوب کر دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ زمانے کے مؤرخ کے لئے صحیح اور غلط روایات میں تمیز کرنا بیحد دشوار ہو گیا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کون سی روایت مبالغہ سے پاک ہے اور کونسی نہیں[1]۔

صرف بنو امیہ نے حضرت عائشہ رضؓ کی جانب غلط اور من گھڑت روایات منسوب نہیں کیں بلکہ اس کام میں شیعہ حضرات بھی ان کے ساتھ ہیں اور بنو امیہ کی طرح انہوں نے بھی جعلی روایات گھڑ کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کو حضرت عثمان رضؓ سے شدید عداوت تھی وہ ہر قیمت پر ان کی حکومت کو ختم کرنا چاہتی تھیں اور فتنہ پھیلانے میں ان کا ہاتھ مصریوں اور عراقیوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔

البتہ ان روایات کے حضرت عائشہ رضؓ کی طرف منسوب کرنے میں دونوں فریقوں

---

[1] مصنف کتاب ہذا کے اس تجزیہ سے ان روایات کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے جو اس سے قبل حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ کے تعلقات کے بارے میں بیان ہو چکی ہیں۔ (مترجم)

کی اغراض علیحدہ علیحدہ تھیں۔ بنوامیہ تو حضرت عائشہ رضؓ کو حضرت عثمان رضؓ کا دشمن ثابت کرکے اپنے اس جرم کو دنیا کی نظروں میں ہلکا کرنا چاہتے تھے جو انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کے بھائی کا مُثلہ کرکے انجام دیا تھا اور جس کے باعث ہر چہار جانب سے ان پر لعنتیں پڑ رہی تھیں اور شیعہ حضرات حضرت عائشہ رضؓ کی طرف منسوب کردہ ان روایات سے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے سامنے عثمان رضؓ کے خون کا انتقام لینے کا جو مطالبہ کیا تھا وہ (نعوذ باللہ) فریب کاری اور بد دیانتی پر مبنی تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے قتل سے بالکل بری تھے اور ان کے قتل کی اصل ذمہ دار حضرت عائشہ رضؓ تھیں جنہوں نے مفسدین کو شہ دے کر یہ فتنہ کھڑا کیا تھا۔

مذکورہ روایات قاتلین عثمان رضؓ کے لئے بھی بے حد مفید تھیں کیونکہ انکی روشنی میں ان کا جرم بہت ہلکا نظر آتا تھا اور وہ لائق تعزیر نہیں ٹھہرتے تھے۔

ان واقعات سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے کن اسباب کی بنا پر ملکی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ جہاں تک حضرت عثمان رضؓ کے دورِ سیاست کا تعلق ہے، یہ بات بلا شک و شبہ کہی جا سکتی ہے کہ اس میں حضرت عائشہ رضؓ کو نامساعد حالات کی بنا پر مجبوراً حصہ لینا پڑا تاہم حضرت علی رضؓ کے عہد میں یہ بات نہیں ہوئی اور اس دور کی سیاست میں انہوں نے اپنی مرضی سے قدم رکھا۔

حضرت علی رضؓ کی ابتدائے خلافت ہی سے ان کے اور حضرت عائشہ رضؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے اور انہی اختلافات نے آگے چل کر جنگ و جدل کی صورت اختیار کر لی۔ اسی ذیل میں یہ دردناک واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا کہ بعض لوگوں نے جنہیں خود خلافت کی خواہش تھی[1] حضرت عائشہ رضؓ کی وجاہت اور

---

[1] (فٹ نوٹ صفحہ ۱۳۸ پر ملاحظہ کریں)

مرتبہ سے ناجائز فائدہ اٹھاکر انہیں بھی اپنے ساتھ شریک کرلیا اور حضرت علی رضؓ کے خلاف باقاعدہ مہم شروع کردی حالانکہ ان کے لئے ایسا کرنا قطعاً مناسب نہ تھا۔ ام المومنین کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ انہیں اس طرح کے سیاسی جھگڑوں میں گھسیٹ کران کی قدر ومنزلت کو گھٹانے کی کوشش کی جاتی۔ ام المومنین ہر دو فریق کے نزدیک محترم تھیں اور ان کے احترام کا تقاضا یہ تھا کہ انہیں سیاست کی دلدل سے بالکل علیحدہ رکھا جاتا۔ چنانچہ جب طلحہ اور زبیر حضرت عائشہ رضؓ کو ہمراہ لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہوئے تو قبیلہ سعد کے ایک شخص نے ان پر یہی اعتراض کیا۔ اس نے ان دونوں کو مخاطب کرکے کہا۔

اے زبیر رضؓ! تم رسول اللہ صلعم کے حواری ہو اور اے طلحہ رضؓ! تم نے رسول اللہ کی حفاظت کی خاطر اپنے ہاتھوں پر تیر کھائے ہے۔ تم نے ام المومنین کو تو اپنے ساتھ لے لیا ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے ہو۔ تم نے اپنی عورتوں کی عزت کا تو خیال کیا لیکن ام المومنین کی عزت وحرمت اور ناموس کا خیال نہ کیا۔

بنو سعد کے اس نوجوان کا اعتراض بالکل درست تھا طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ کو حضرت علی رضؓ کے مقابلہ میں حضرت عائشہ رضؓ کو اپنا ہم خیال بنا لینے کا حق تو حاصل تھا لیکن انہیں میدانِ جنگ میں لے جانے اور مخالفین کے ہاتھوں ان کی بے حرمتی کرانے کا اختیار کسی صورت میں حاصل نہ تھا۔

ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ جن دنوں حضرت عثمان رضؓ کے خلاف شورش برپا تھی حضرت عائشہ رضؓ حج کے لئے مکہ چلی گئی تھیں۔ قیام مکہ کے دوران میں حضرت ابن عباس رضؓ

لے (فٹ نوٹ صفحہ ۱۳۱) تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کسی مرحلے پر بھی حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ نے اپنے لئے خلافت کی خواہش کی ہو۔ انہوں نے قاتلینِ عثمان رضؓ سے انتقام لینے کا مطالبہ تو بیشک کیا لیکن خلافت کا دعویٰ کبھی نہیں کیا۔ (مترجم)

بھی حضرت عثمانؓ کا ایک پیغام لے کر وہاں پہنچے۔ اس پیغام میں حضرت عثمانؓ نے باغیوں کی شوریدہ سری کا ذکر کر کے حجاج کو اپنی مدد کی دعوت دی تھی مکہ پہنچکر ابن عباسؓ حضرت عائشہ رضؓ سے بھی ملے بعض روایات کے بموجب حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا کہ تم لوگوں کو عثمان کی مدد پر آمادہ کرنے کی بجائے ان کی مخالفت پر ابھارو اور اس طرح طلحہ بن عبیداللہ کی خلافت کے لئے راہ ہموار کر دو[۱]۔ کیونکہ ان کی امانت و دیانت ضرب المثل ہے اگر انھیں خلافت مل گئی تو وہ اپنے بھتیجے ابوبکر رضؓ کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ نے یہ سن کر فرمایا" ام المومنین! اگر عثمانؓ خلافت سے ہٹا بھی دیئے گئے تو بھی آپ کی امید بر نہیں آئے گی، کیونکہ لوگ علی رضؓ کے سوا اور کسی شخص کو خلیفہ بنانے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔

حضرت عائشہ رضؓ نے کہا:" اچھا تم چلے جاؤ۔ میں تم سے بحث و مباحثہ کرنا نہیں چاہتی۔"

اسی دوران میں مدینہ کی تشویش ناک صورتِ حال کی خبریں مکہ میں بھی پہنچنی شروع ہوئیں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اصلاح احوال کی خاطر مدینہ واپس جانے کا ارادہ کیا یا بھی

---

[۱] یہ روایت بے اصل ہے کیونکہ خود حضرت عائشہ رضؓ نے کئی موقعوں پر یہ روایت بیان کی تھی کہ حضورؐ نے عثمان رضؓ سے فرمایا۔ اللہ تمھیں ایک قمیص پہنائے گا۔ لوگ اس قمیص کو اتارنا چاہیں گے۔ مگر تم اسے ہرگز نہ اتارنا۔"

اس حدیث کی موجودگی میں، جس کی راوی خود حضرت عائشہ رضؓ ہیں یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ ام المومنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لوگوں کو حضرت عثمان رضؓ کے خلاف برانگیختہ کیا اور انھیں معزول کرنے کی جدوجہد کی۔ (مترجم)

وہ راستے ہی میں تھیں کہ انھیں حضرت عثمان رضؓ کی شہادت اور حضرت علی رضؓ کی خلافت کی خبریں معلوم ہوئیں اور یہ بھی پتہ چلا کہ مدینے پر باغیوں کا مکمل قبضہ اور عمل دخل ہے اور کوئی شخص ان کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے ساتھیوں کو فی الفور مکہ واپس ہونے کا حکم دیدیا۔ راستہ میں جو لوگ انہیں ملتے ان کے سامنے وہ دردناک الفاظ میں شہادتِ عثمان رضؓ کا ذکر کرتیں اور اس خونِ ناحق کا انتقام لینے پر آمادہ کرتیں۔ یہ دیکھ کر عبید بن ابی سلمہ نے جو ننھیال کی طرف سے ان کے رشتہ دار تھے کہا:

"ام المومنین! یہ کیا؟ عثمان رضؓ کے خلاف سب سے پہلی آواز آپ ہی نے اٹھائی اور اب آپ ہی سب سے پہلے ان کے خون کا بدلہ لینے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔"

حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا:

"یہ درست ہے کہ میں نے عثمان رضؓ کے خلاف بہت کچھ کہا لیکن اب جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ پہلی باتوں سے بہتر ہے[1]"

مدینہ تو مکمل طور پر باغیوں اور قاتلینِ عثمان کے قبضہ میں تھا لیکن مکہ فی الحال ان کے اثر سے آزاد تھا اس لئے حضرت علی رضؓ کے مخالفین ہر چہار طرف سے آ آ کر مکہ میں جمع ہونے لگے۔ ان میں بنو امیہ بھی تھے جن کی قوت و طاقت حضرت عثمان رضؓ کی شہادت

---

[1] سیاست میں اس چیز کو موقعہ پرستی کہا جاتا ہے ایک دنیاوی انسان اسے اپنے لئے خواہ کتنا ہی مفید کیوں نہ خیال کرے لیکن ام المومنین کے کسی طرح شایانِ شان نہیں تھا کہ وہ اس طرح موقعہ پرستی سے کام لیتیں۔ حضرت عائشہ جیسی زیرک اور فہمیدہ خاتون اپنے مقام سے خوب آگاہ تھیں ان کے متعلق یہ گمان کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایسی باتیں اپنے منہ سے نکالی ہوں گی جن کے باعث ان پر موقعہ پرستی کا الزام لگ سکے۔ لہٰذا عقلاً بھی اس قسم کی روایات قابلِ اعتماد نہیں۔ (مترجم)

کے بعد ختم ہو چکی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ والی بھی تھے جن کی حکومت حضرت علیؓ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے باعث خطرے میں پڑ گئی تھی اور حکومت کے وہ کارندے بھی تھے جنھیں اپنی سابقہ بے عنوانیوں کے محاسبہ کا خوف لاحق تھا۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کا مطالبہ پیش کر دیا اور سب لوگوں نے بالاتفاق رائے اس مطالبے کی تائید کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کو اپنا راہبر بنا لیا چنانچہ ان تینوں کی قیادت میں ایک لشکر کی تشکیل شروع ہوئی جس کا مقصد قاتلین عثمانؓ سے انتقام لینا تھا۔

حضرت عائشہؓ نے ان لوگوں کی راہبری قبول تو کر لی تھی لیکن حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبعاً اسے کراہت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں انہوں نے لشکر کی قیادت محض اس لئے قبول کی کہ ہر شخص ان کی آواز پر لبیک کہہ کر حضرت عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کے لئے بیچین نظر آتا تھا اور اس غرض کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھا۔ گمان غالب یہی ہے کہ اگر لوگوں میں کامل اتفاق رائے نہ ہوتا اور انتقام عثمانؓ کے مطالبے سے متاثر ہو کر وہ ایک جھنڈے تلے جمع نہ ہوتے تو حضرت عائشہؓ نہ ان کی قیادت قبول کرنے کو تیار ہوتیں اور نہ لشکر کو لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہوتیں۔ راستے میں بھی ایسے واقعات پیش آتے رہے جن کی بنا پر وہ آگے بڑھنے سے ہچکچاتی رہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلا واقعہ پیش آیا، اس نے تو ان کے دل پر اتنا زبردست اثر کیا کہ انہوں نے فوراً ہی واپسی کا ارادہ کر لیا اور اگر لشکر والے بعض حیلوں کے ذریعہ انہیں روکنے میں کامیاب نہ ہو جاتے تو یقیناً جنگ جمل جیسے ناگوار اور افسوس ناک واقعات کبھی پیش نہ آتے۔

مذکورہ بالا واقعہ کی تفصیلات اس طرح ہیں کہ حضرت عائشہ رض کا لشکر کوچ کرتا ہوا جب حوأب کے چشمہ پر پہنچا تو کتے بھونکنے لگے انہوں نے راہبر سے پوچھا "یہ کونسا چشمہ ہے" اس نے جواب دیا "یہ حوأب کا چشمہ ہے" یہ سنتے ہی وہ چونک پڑیں اور کہنے لگیں ــ انا للہ وانا الیہ راجعون ــ ایک مرتبہ حضورؐ اپنی ازواج کے درمیان تشریف فرما تھے کہ حضورؐ نے فرمایا "نہ معلوم تم میں سے کس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔"

یہ کہہ کر اپنے اونٹ کو بٹھا دیا اور کہنے لگیں "مجھے واپس جانے دو، افسوس میں ہی حضورؐ کی وہ بیوی ہوں جس کے لئے حوأب کے کتوں کا بھونکنا مقدر ہو چکا تھا"
ایک دن ایک رات حضرت عائشہ رض وہیں مقیم رہیں اور ہٹنے کا نام نہ لیا۔ آخر لشکر والوں نے ۵۰ بدوؤں کو رشوت دیکر حضرت عائشہ رض کے سامنے یہ گواہی دینے پر آمادہ کیا کہ حوأب کا چشمہ تو پیچھے گزر چکا ہے۔ اسی دوران میں طے شدہ سکیم کے مطابق بعض لوگوں نے چلانا شروع کر دیا "اپنے بچاؤ کا سامان کرلو۔ علی ابن ابی طالب کا لشکر تمھاری گھات میں ہے اور وہ تم پر حملہ کرنے والا ہے۔
آخر بڑی مشکل سے حضرت عائشہ رض نے لشکر کو آگے بڑھنے کی اجازت دی۔
اسی واقعہ پر بس نہیں۔ جنگِ جمل کے واقعات کے ضمن میں ہمیں ایک بھی ثبوت ایسا نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ حضرت عائشہ رض کا ارادہ حضرت علی رض کی فوج سے جنگ کرنے کا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ باہمی گفت وشنید سے تمام معاملات بحسن وخوبی انجام پا جائیں۔ جنگ کا تو انہیں واہمہ بھی نہ تھا اور اسے وہ بعید از قیاس سمجھتی تھیں۔ اس کا ثبوت اس گفتگو سے ملتا ہے جو عاملِ بصرہ کے ایلچی ابوالاسود دئلی اور حضرت عائشہ رض کے درمیان ہوئی۔ جب ابوالاسود دئلی ان کے پاس آئے تو حضرت عائشہ رض نے ان سے پوچھا۔

"ابو الاسود! کیا یہ بات ممکن ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص مجھ سے لڑنے کے لئے میدانِ جنگ میں آجائے۔

ابو الاسود حضرت علی رضؓ کے زبردست حامیوں میں سے تھے۔ انہوں نے جوش میں آکر کہا۔

"خدا کی قسم! آپ کو اتنی شدید جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا تصور بھی آپ نہیں کر سکتیں"۔

کئی دن اسی تردد میں گزر گئے۔ حضرت عائشہ رضؓ اپنی فوج کے ہمراہ بصرہ سے باہر مربد مقام پر خیمہ زن تھیں۔ بصرہ کے عامل عثمان بن حنیف نے کئی بار حضرت عائشہ رضؓ پر حملہ کرنا چاہا لیکن آپ نے سمجھا بجھا کر اسے لڑائی سے باز رکھا اور اصلاحِ احوال کی خاطر اپنی فوجیں مربد سے ہٹا کر دار الرزق لے گئیں لیکن عثمان بن حنیف کو اپنے ارمان نکالنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن اس نے سمجھانے بجھانے کے باوجود حضرت عائشہ رضؓ کے لشکر پر حملہ کر ہی دیا جو دار الرزق میں ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ سارا دن لڑائی جاری رہی جس پر فریقین کے چھ سو آدمی کام آئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ رات ہونے پر حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے آدمیوں کو لڑائی بند کرنے کا حکم دیا اور اپنے کیمپ میں واپس چلی گئیں۔

دریں اثنا حضرت علی رضؓ نے اپنے ایلچی قعقاع بن عمرو کو طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت عائشہ رضؓ سے بات چیت کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ سب سے پہلے حضرت عائشہ رضؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔

"ام المومنین! آپ کس غرض کے لئے یہاں تشریف لائی ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا،

"بیٹے! امت کی اصلاح کی خاطر"

قعقاع نے کہا:

"اچھا ذرا طلحہ اور زبیر کو بھی بلا لیجئے۔ وہ بھی آ کر ہماری باتیں سن لیں چنانچہ حضرت عائشہ رضی نے ان دونوں کو بلا بھیجا۔ قعقاع نے ان سے کہا:

"میں نے ام المومنین سے پوچھا تھا کہ وہ کس غرض کے لئے یہاں تشریف لائی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا "امت کی اصلاح کی خاطر" تم دونوں اس کے متعلق کیا کہتے ہو۔ تمہاری بھی وہی رائے ہے جو ام المومنین کی ہے۔"

ان دونوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا:

"ام المومنین درست فرماتی ہیں۔ ہم واقعی اصلاح کی خاطر یہاں آئے ہیں۔"

قعقاع نے کہا:

"اس مطالبے کو پورا کرنے کی خاطر بصرہ کی لڑائی میں چھ سو آدمی مارے گئے لیکن اس کیخلاف احتجاج کرتے ہوئے چھ ہزار آدمی تمہارا ساتھ چھوڑ کر فریق مخالف سے جا ملے۔ تم نے حرقوس بن زہیر کو قتل کرنا چاہا لیکن اس کی حمایت میں چھ ہزار آدمی تمہارے مقابل پر نکل آئے اگر تم انہیں چھوڑ دیتے ہو تو اپنے قول کے مطابق احکام قرآنی کے تارک بنتے ہو لیکن اگر ان سے اور اپنا ساتھ چھوڑ جانے والے لوگوں سے جنگ کرتے ہو تو اس کی تم میں طاقت نہیں۔ وہ بہت آسانی سے تمہیں شکست دیکر تمہارا شیرازہ منتشر کر دیں گے۔"

قعقاع کی یہ باتیں سن کر حضرت عائشہ رضی نے پوچھا۔

تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔"

قعقاع نے جواب دیا۔

"اس صورت حال کا مداوا جنگ و جدل کے ذریعہ نہیں بلکہ پُر سکون ماحول پیدا کر کے ہی کیا جا سکتا ہے۔ آپ لوگ علی رضی کی بیعت کر لیں تو امت کا شیرازہ منتشر

ہونے سے محفوظ رہے گا۔ اور ہم متحد ہو کر بآسانی عثمانؓ کے قاتلین سے بدلہ لے سکیں گے لیکن اگر آپ لوگوں نے افتراق کی پالیسی پر عمل کیا تو مسلمانوں کا باہمی اتحاد مفقود ہو جائے گا اور یہ امر تمام بہی خواہانِ امت کے لئے سخت صدمہ کا باعث ہوگا۔ مسلمانوں کی جمعیت کمزور ہو جائے گی اور عثمانؓ کا انتقام بھی نہ لیا جاسکے گا۔ اس لئے آپ لوگ سنجیدگی اور سکون سے تمام صورتِ حال کا جائزہ لیں، جنگ وجدل کی بجائے امن و عافیت کو ترجیح دیں اور بھائیوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنانے کی بجائے ان میں محبت اور پیار پیدا کر کے انہیں قریب لانے کی کوشش کریں۔ یاد رکھیئے اگر مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گیا تو یہ امر صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ آپ کے لئے بھی تباہ کن ثابت ہوگا۔"

یہ سن کر طلحہؓ، زبیرؓ اور عائشہؓ تینوں نے یک زبان ہو کر کہا:

"تمہاری رائے بالکل درست ہے۔ تم علیؓ کے پاس جاؤ۔ اگر ان کی رائے بھی تمہاری رائے کے موافق ہوئی تو معاملہ بآسانی سلجھ جائے گا۔"

چنانچہ قعقاع کوفہ پہنچے اور ان باتوں کی اطلاع حضرت علیؓ کو دی۔ وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے ایلچی کے ہاتھ ان تینوں کو کہلا بھیجا کہ میں قعقاع کی باتوں سے بالکل متفق ہوں چنانچہ صلح کی بات چیت ہونے لگی لیکن بدقسمتی سے حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں کے لشکروں میں ایسے مفسدین کی کمی نہ تھی جو صلح کی بات چیت کو پروان چڑھتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہ صلح ان کے لئے پیغام موت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے مخصوص حیلوں سے کام لے کر صورتِ حال کو اتنا بگاڑ دیا کہ وہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں کے قابو سے باہر ہو گئی اور دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔

تاہم صلح کی امید بکلی منقطع نہیں ہوئی حضرت عائشہؓ تو ابتدا ہی سے صلح کی

خواہش مند تھیں۔ طلحہ رض اور زبیر رض نے بھی غور و فکر کے بعد یہی رائے قائم کی کہ وہ غلطی پر ہیں۔ اور انہیں کسی طرح بھی حضرت علی رض سے جنگ نہ کرنی چاہیئے۔ چنانچہ ایک دن زبیر رض نے حضرت عائشہ رض سے صاف صاف کہہ دیا کہ غور و فکر کے بعد میں تو اس رائے پر پہنچا ہوں کہ ہم سراسر غلطی پر ہیں۔ حضرت عائشہ رض نے پوچھا۔

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

انہوں نے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ لشکر سے علیحدہ ہو کر واپس چلا جاؤں"

بسا اوقات فریقین کے دردمند لوگ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کو نصیحتیں کرتے اور جنگ و جدل کے خوفناک نتائج سے ڈراتے، ایک مرتبہ حضرت علی رض اپنے لشکر سے باہر آئے اور انہوں نے زبیر رض کو آواز دے کر کہا:

"اے زبیر! تمھاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم واپس چلے جاؤ"

زبیر رض نے جواب دیا:

"اب میں کس طرح واپس جا سکتا ہوں؟ تم دیکھتے نہیں کہ دونوں فریق کس طرح کیل کانٹے سے لیس تیار کھڑے ہیں۔ اس حالت میں اگر میں پیٹھ دکھاؤں گا تو کلنک کا ٹیکہ ساری عمر میرے ماتھے پر لگا رہے گا۔ میں یہ ذلت کس طرح برداشت کر سکتا ہوں"

حضرت علی رض نے کہا:

اس دنیا کی ذلت و رسوائی، آخرت کی ذلت و رسوائی اور دوزخ سے بدرجہا بہتر ہے"

حضرت علی رض کی اس نصیحت نے زبیر رض کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ فوراً واپس جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب ان کے لڑکے عبداللہ کو اپنے والد کے اس ارادے کا علم ہوا تو وہ ان کے پاس گئے اور مختلف طریقوں سے انہیں روکنے کی کوشش

کرتے رہے لیکن زبیر رضؓ نے صاف کہہ دیا کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ علی رضؓ سے کبھی نہ لڑوں گا۔ یہ سن کر عبداللہ نے کہا:

"آپ اپنی قسم کا کفارہ دے دیجئے اور جنگ کیجئے"!

ابھی باہم صلاح و مشورہ جاری تھا کہ کعب بن سور حضرت عائشہ رضؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"علی رضؓ کی فوج نے جنگ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ آپ اپنے ہودج پر سوار ہو کر چلئے۔ شاید آپ کی وجہ سے جنگ رک جائے اور باہم صلح ہو جائے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ اپنے ہودج پر سوار ہوئیں اور اُسے چاروں طرف سے زرہوں سے ڈھانپ دیا گیا۔ وہ حضرت علی رضؓ کے لشکر کی طرف جانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ شور و غل کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے پوچھا۔ یہ شور و غل کیسا ہے"؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت علی رضؓ کے لشکر نے ہمارے لشکر پر حملہ کر دیا ہے۔ انہوں نے بھی مجبوراً مقابلہ کرنے کا حکم دے دیا۔ دونوں فریق بڑھ بڑھ کر دادِ شجاعت دینے لگے اور صلح کی کوششیں بالکل اکارت چلی گئیں۔

جملہ واقعات پر ایک نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ جمل کسی معین مقصد اور مخصوص نظریئے کو سامنے رکھ کر نہیں لڑی گئی اور نہ اس جنگ کے ذمہ دار اصحاب کے سامنے کوئی قدر مشترک تھی۔ اس وقت عالمِ اسلام میں صرف دو منظم فریق تھے۔ ایک حضرت علی رضؓ کا اور دوسرا حضرت معاویہ رضؓ کا لیکن جنگِ جمل میں حضرت علی رضؓ کے حزبِ مخالف کا قطعاً یہ مقصد نہ تھا کہ علی ابن ابی طالب کی قوت کو منتشر کر کے معاویہ بن ابوسفیان کو تقویت پہنچائی جائے کیونکہ طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ میں سے کوئی بھی نہ حضرت معاویہ رضؓ کے کسی لشکر کا سپہ سالار تھا اور نہ ان کے زیرِ نگیں علاقوں میں سے کسی علاقے کا حاکم۔ معاویہ کا خیر ذکر ہی کیا ہے آپس میں بھی یہ لوگ کسی ایک

شخص کی ولایت پر متفق نہ تھے۔ اور اگر حضرت علی رضؓ کو شکست ہو جاتی تو یقیناً ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کو اپنا حاکم تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔

دراصل یہ دونوں اصحاب اپنے لئے ولایت کے خواہاں تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت علی رضؓ ان سے مشورہ لئے بغیر کوئی کام نہ کریں لیکن حضرت علی رضؓ نے ان کی خواہشات کو پورا کرنے اور ان کے مشوروں پر عمل کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ اس پر یہ لوگ مایوس ہو کر مدینہ سے چلے گئے اور مکہ آکر علم اصلاح بلند کر دیا۔ فوج کشی سے ان کا مقصد صرف حضرت علی رضؓ پر زور ڈال کر اپنے لئے عراق اور یمن کی ولایتیں حاصل کرنا اور خلیفہ کو اپنے مشوروں کا پابند بنا کر مجلس شوریٰ میں اہم مقام حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ ان خواہشات کا اظہار وہ مدینہ میں حضرت علی رضؓ کے سامنے کر چکے تھے۔

جنگ جمل میں طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ کی شرکت کی وجہ تو ہماری سمجھ میں یہی آتی ہے جس کا اظہار ہم نے سطور بالا میں کر دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ علوی سیاست میں دخل اندازی اور اس جنگ میں ان کی شرکت کا باعث وہ پرانی رنجش تھی جو حضورؐ کے وقت سے چلی آرہی تھی۔ ممکن تھا کہ یہ رنجش دل کی دل ہی میں رہتی اور اس کے اظہار کا موقعہ نہ آتا۔ لیکن حضرت علی رضؓ کی خلافت سے قبل اور بعد جو واقعات پیش آئے اور جس طرح مدینہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا، جس بیدردی اور شقاوت قلبی سے مظلوم خلیفہ ثالث کا خون حرم نبوی میں بہایا گیا اور پھر جس طرح باغیوں نے بزعم خود ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن کر اپنی من مانی شروع کر دی اس سے تمام ملک میں زبردست ہیجان برپا ہو گیا اور ہر طرف سے مظلوم خلیفہ کا انتقام لینے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس مطالبہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ حضرت عائشہ رضؓ کو بھی اس کی تائید کرنی اور لشکر کی قیادت قبول کرنی پڑی۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت حضرت عائشہ رضؓ کے تحت الشعور میں وہ واقعات بھی

پنہاں تھے۔

واقعہ افک کا ذکر کرتے ہوئے ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس وقت حضورؐ نے اس معاملہ کے متعلق حضرت علی رضؓ کی رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا کہ آپ کو فکر اور تردد کی ضرورت نہیں ہے حضرت عائشہ رضؓ کے علاوہ اور بھی عورتیں موجود ہیں۔ آپ انہیں طلاق دے کر ان میں سے کسی سے نکاح کر لیجئے۔

اس مشورہ پر حضرت عائشہ رضؓ کو جس قدر بھی رنج ہوتا کم تھا اور حضرت علیؓ کے لئے قطعاً مناسب نہ تھا کہ وہ حضورؐ کو ایسا مشورہ دیتے۔ یہ بات انصاف سے بعید تر تھی کہ حضورؐ محض ایک ایسے شبہ کی بنا پر عائشہ رضؓ کو طلاق دے دیتے جو بد باطن منافقین نے حضورؐ اور آپ کے صحابہ رضؓ کے درمیان پھوٹ اور رنجش ڈلوانے کے لئے پیدا کرنا چاہا تھا۔ انہیں طلاق دینے سے بجا طور پر یہی سمجھا جاتا کہ حضورؐ نے ان کے کیریکٹر کو (نعوذ باللہ) مشکوک پا کر انہیں اپنے سے علیحدہ کر دیا ہے۔ اس صورت میں بدنامی صرف حضرت عائشہ رضؓ کی نہ ہوتی بلکہ اس کی لپیٹ میں ان کے والد محترم اور خاندان کے تمام افراد بھی آجاتے اور رسوائی کا یہ داغ قیامت تک کے لئے ان سے جدا نہ ہوتا۔ معاملہ یہیں تک محدود نہ رہتا بلکہ منافقین کے لئے حضورؐ اور اسلام پر حملہ کرنے کے لئے بھی راستہ کھل جاتا اور یہ بد باطن گروہ حضورؐ کی زندگی ہی میں ایک عظیم فتنہ پیدا کرنے اور کمزور ایمان والے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ تعجب ہے حضرت علی رضؓ کی نظروں سے یہ باتیں پوشیدہ کس طرح ہو گئیں اور انہوں نے انتہائی زیرک ہونے کے باوجود ایسا مشورہ کس طرح دے دیا جو انصاف اور مصلحت کے سراسر خلاف تھا۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے یہ مشورہ محض اس لئے دیا کہ انہیں حضورؐ کی عزت و ناموس کا بے حد پاس تھا اور اس پر حرف آنا ان کے لئے قطعاً ناقابلِ برداشت تھا۔ پھر بھی تحقیقات مکمل ہو جانے تک انہیں اس قسم کے

الفاظ زبان سے نہ نکالنے چاہئیں تھے۔

اس کے باوجود حضرت عائشہ رضؓ نے جنگِ جمل کے موقعہ پر جو موقف اختیار کیا، ہم اس کی تائید نہیں کر سکتے۔ یقیناً حضرت علی رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ کو طلاق دینے کا مشورہ دے کر غلطی کی لیکن دوسری جانب حضرت عائشہ رضؓ نے اس رنجش کے باعث حضرت علی رضؓ کا مقابلہ کرنے میں بھی سخت غلطی کی۔

"تاہم اس موقعہ اس امر کا اظہار کر دینا ضروری ہے کہ بعد میں حضرت عائشہ رضؓ کو اس فعل پر سخت ندامت ہوئی۔ وہ اکثر کہا کرتی تھیں "کاش میں جنگِ جمل سے پہلے ہی مر جاتی۔" کاش میرے بطن سے حضورؐ کے دس بچے پیدا ہوتے اور وہ سب کے سب مر جاتے لیکن جنگِ جمل کا واقعہ پیش نہ آتا۔"

جب کبھی جنگِ جمل کا ذکر آتا روتے روتے ان کی ہچکی بندھ جاتی اور ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔

اسی ذیل میں ایک اور امر بھی قابلِ ذکر ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے مخالفت کے باوجود حضرت علی رضؓ کے حق میں کبھی کوئی نازیبا لفظ منہ سے نہ نکالا۔ بنو امیہ کھلم کھلا حضرت علی رضؓ پر قتلِ عثمان رضؓ کا الزام لگاتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضؓ نے ان پر کبھی اس قسم کا کوئی الزام نہ لگایا بلکہ ہمیشہ ان کی پرہیزگاری اور تقویٰ و طہارت کی تعریف ہی کی۔ بسا اوقات یہاں تک کہہ دیا کہ وہ حضورؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔

بے شک انہوں نے حضرت علی رضؓ کے خلاف خروج کیا لیکن اپنی طرف سے کبھی کوئی ایسی بات نہ کی جو فتنہ و فساد کو مزید بھڑکانے والی ہوتی۔ ان کا ارادہ حضرت علی رضؓ اور ان کی فوجوں سے جنگ کرنے کا ہرگز نہ تھا اور حضرت علی رضؓ کی طرف سے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار ہونے پر انہوں نے اپنی طرف سے بھی اسی قسم کے جذبات

کا اظہار کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن بعض مفسد اور فتنہ پرداز لوگوں کی کوششوں کی بدولت صلح کی یہ بات چیت پروان نہ چڑھ سکی اور حضرت عائشہ رض کی توقعات کے بالکل برعکس جنگِ جمل کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔

یہ واقعہ اسلامی تاریخ کے دردناک واقعات میں سے ایک ہے۔

اور

اس میں عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت سا سامان پوشیدہ ہے۔

عورت کے حقوق

حضرت عائشہ رضؓ کی زندگی ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام نے عورت کے کیا حقوق مقرر فرمائے ہیں۔ حضورؐ امت کے لئے بہترین نمونہ تھے اور حضورؐ نے حضرت عائشہ رضؓ سے حسنِ سلوک کر کے امت کو زبانِ حال سے بتا دیا کہ عورت کن کن حقوق اور مراعات کی مستحق ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں شوہر کے ذمہ بیوی کے کچھ حقوق واجب ہیں وہاں بیوی پر بھی شوہر کے کچھ حقوق عاید ہوتے ہیں۔ جہاں شوہر کے لئے ضروری ہے کہ وہ گھر کے کاموں میں بیوی کا ہاتھ بٹائے، اس کی ضروریات کا خیال رکھے، اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے اور اس کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے وہاں بیوی پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ گھر کا انتظام اس حسن و خوبی سے چلائے کہ خاوند کو کوئی شکایت پیدا نہ ہو۔ وہ شوہر کے آرام و آسائش کا خیال رکھے۔ بچوں کی نگہداشت اور تربیت کرے اور ایسی خوشگوار فضا پیدا کر دے کہ گھر جنت کا نمونہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ نے عورت کا حقیقی مقام اس کا گھر مقرر فرمایا ہے۔ سیاست میں دخل اندازی اس کے لئے مناسب نہیں خصوصًا ایسی صورت میں تو اسے سیاست سے

بکلی اجتناب کرنا چاہیئے۔ جب ملک میں اضطراب اور شورش برپا ہو اور فتنہ و فساد کے شعلے ہر سو بھڑک رہے ہوں، لیڈری عورت کے بس کی بات نہیں۔ وہ قوم جس کی زمام قیادت کسی عورت کے ہاتھ میں ہو اپنے مقصد میں بہت ہی کم کامیاب ہوتی ہے۔ عورت کو اللہ نے گھر کا انتظام چلانے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اُسے سیاسی معاملات میں گھسیٹنا ملک و قوم کے لئے ابتری کا باعث ہو سکتا ہے۔ اگر عورت بازی گاہِ سیاست میں جولانی دکھانے لگے تو لازماً وہ گھر سے بالکل لاپرواہ ہو جائے گی اور بچوں کی تعلیم و تربیت کی متعلق توجہ نہ دے سکے گی۔ اس کا جو تباہ کن اثر ملک کی نئی پود پر پڑ سکتا ہے۔ اسے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

حضرت عائشہ رضؓ کی اہلی زندگی بڑی کامیاب تھی وہ پورے طور پر اپنے گھر کی مالک و مختار تھیں اور ان کے شوہر محترم رسول اللہ صلعم گھر کے کاموں میں برابر ان کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور جب تک گھر میں تشریف فرما رہتے کوئی نہ کوئی گھریلو کام کرتے ہی رہتے تھے۔

ادھر حضرت عائشہ رضؓ بھی جہاں تک ان سے بن پڑتا تبلیغ و ہدایت اور تعلیم و تلقین کے کام میں رسول اللہ صلعم کی مدد کرتی رہتی تھیں اور اس عظیم بوجھ کو کم کرنے میں، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کندھوں پر پڑا ہوا تھا، ہر وقت ساعی و کوشاں رہتی تھیں۔

پس جہاں تک فریقین کے حقوق کا سوال تھا کسی فریق کی طرف سے کبھی دوسرے کے حقوق میں کوتاہی نہ ہوتی تھی اور دونوں اپنے اپنے طبقہ کے لئے بہترین نمونہ تھے۔

حضرت عائشہ رضؓ نے سیاست میں ضرور حصہ لیا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو وہ ذکاوت اور علم و فضل میں مردوں سے بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ دوسرے وہ ایک عظیم الشان انسان کی بیوی اور ایک جلیل القدر شخص کی بیٹی تھیں اور ہر شخص ان کی تعظیم کرنے اور

ان کے ارشادات کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور تھا اور ایک لیڈر کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ جہاں وہ علم وفضل، فطانت وذکاوت میں ممتاز حیثیت کا حامل ہو وہاں خاندانی لحاظ سے بھی اس کی شہرت قائم ہو اور اس کی ذاتی وجاہت کے باعث لوگ اس کی باتیں قبول کرنے کے لئے تیار رہوں۔ چنانچہ کچھ تو اپنی فطری استعدادوں اور کچھ ملکی حالات کے باعث انہیں سیاست میں حصہ لینا پڑا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر عورت کو حضرت عائشہ رضؓ کی تقلید کرتے ہوئے میدانِ سیاست میں کود پڑنا چاہیئے۔ سیاست میں حصہ لینے کے لئے خاص استعدادوں اور صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاذ ہی کوئی عورت صحیح طور پر لیڈر بننے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہو۔ لہٰذا عورتیں میدانِ سیاست سے جتنا دور رہیں اتنا ہی ان کے لئے مفید ہے البتہ خانگی زندگی کے میدان میں حضرت عائشہ رضؓ یقیناً دوسری عورتوں کے لئے نمونہ ہیں اور اس عمر میں عورتوں کو ان کی تقلید ضرور کرنی چاہیئے۔

آج کل عورتوں کے حقوق کا پروپیگنڈا کرنے والے مردوں اور عورتوں کی مساوات پر بے حد زور دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کسی صنف کو دوسری صنف پر کسی قسم کی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہونی چاہیئے اور دونوں کو ایک جیسے حقوق ملنے چاہئیں لیکن مرد اور عورت کے دائرہ عمل خلقت اور عادات وخصائل کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ مطالبہ بالکل ناقابلِ عمل ہے۔ اس کی بجائے اگر عورت کو اس کے جائز حقوق دلانے اور اسے ظلم وستم سے بچانے کی مہم شروع کی جائے تو یقیناً اس سے مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں قرآنِ کریم سب سے پہلی کتاب ہے جس نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ اور مردوں اور عورت کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے ۔ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ ۔ (جس طرح دستور کے مطابق عورت کے ذمہ کچھ حقوق واجب ہیں اسی طرح مردوں کے ذمہ عورتوں کے کچھ حقوق بھی ہیں (جن

کی ادائیگی بے حد ضروری ہے البتہ چونکہ عورت خلقی طور پر کمزور ہے) اس لئے مرد کو اس پر ایک طرح کی فوقیت حاصل ہے)۔

اور حضرت عائشہ رض کی زندگی اس امر کا ثبوت ہے، کہ اسلام نے عورت کے جو حقوق مقرر کئے ہیں، حضور ؐنے حضرت عائشہ رض کو ان سب سے نوازا۔

قرآنِ کریم نے عورت کی جو حیثیت مقرر فرمائی ہے وہ قوانینِ فطرت کے عین مطابق ہے۔ وہ ایک ابدی حقیقت ہے جو کبھی متغیر نہیں ہو سکتی۔ مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کرنے کا مطالبہ کرنے والوں پر یہ حقیقت آج نہیں تو کل ضرور منکشف ہو جائے گی کہ وہ مطالبہ جس کی بنیاد فطری حقائق پر نہ ہو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ عورت اور مرد ایک دوسرے سے بہت حد تک مختلف ہیں اور یہ اختلاف اتنا واضح ہے جس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں۔ عورت اور مرد کے روزمرّہ کے مشاغل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اعضاء کی بناوٹ کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں۔ حتیٰ کہ دونوں کے احساسات اور جذبات بھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ گھریلو کام مثلاً کھانا پکانا، سینا پرونا، بچوں کی پرورش عورت جس خوبی سے کر سکتی ہے مرد نہیں کر سکتا۔ مرد اور عورت کی ذمہ داریاں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ خانگی امور کی نگہداشت فطرت نے عورت پر ڈالی ہے۔ اور روزی کمانے اور بیوی بچوں اور متعلقین کی پرورش کا کام مرد کے سپرد ہوتا ہے۔

اس صورت میں جبکہ عورت اور مرد کا دائرہ عمل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ دونوں کو ایک جیسے حقوق سے نوازنا اور ان میں کامل مساوات قائم کرنا بالکل ناممکن ہے اور یہ مطالبہ کرنے والے اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ وہ لوگ جو جبر کے ذریعہ دونوں کو ایک جیسے حقوق سے نوازنا اور دونوں کے درمیان کامل مساوات قائم کرنا چاہتے ہیں وہ دراصل خاندان کی عمارت کو منہدم کرنے کے درپے ہیں۔ ان

کے خیال میں خاندان ایک طوق ہے جو لوگوں نے زبردستی لوگوں کے گلوں میں ڈال رکھا ہے۔ ایک زنجیر ہے جس نے عورت کی ترقی کی راہیں مسدود کر رکھی ہیں۔ اس لئے عورت کو کامل آزادی دینے کے لئے خاندان کو تباہ کرنا ضروری ہے لیکن ان لوگوں کی نظر اس حقیقت پر نہیں پڑتی کہ خاندان کی تباہی معاشرہ کی تباہی ہے۔ خاندان کے معدوم ہونے کے نتیجہ میں عورت اور مرد کے درمیان الفت و محبت اور تعاون و اتحاد کی عمارت بھی دھڑام سے زمین پر آ پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں مرد و عورت ایک ایسی مشین کے کل پرزے بن کر رہ جائیں گے جو جذبات اور احساسات سے بالکل عاری ہو کر اپنا کام کئے جاتی ہے اور یہ امر انسانیت کے لئے جس قدر مہلک ہے اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

مرد اور عورت کے درمیان کامل مساوات کی تلقین ایک دھوکا ہے اور ناقابلِ عمل فلسفہ۔ درست راستہ جو عین فطرت کے مطابق ہے وہ یہی ہے کہ عورت کو اس کے جائز حقوق سے بہرہ ور کر دیا جائے اور جو حق تلفیاں اس کے ساتھ ہوتی رہی ہیں۔ اس کا سلسلہ یک قلم بند کر دیا جائے۔ تہذیب و تمدن کی گاڑی اسی طرح چل سکتی ہے اور اسی کی طرف قرآنِ کریم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف والرجال علیهن درجة۔

(مرد کی طرح عورت کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی ضروری ہے۔ البتہ مرد کو عورت پر یک گونہ فضیلت ضرور حاصل ہے۔)

مرد اور عورت کے درمیان مساوات کے مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی ہے جس کا تعلق تعدادِ ازواج سے ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ امر قرینِ انصاف ہے کہ مرد ایک وقت میں کئی بیویوں کو اپنے تحت میں رکھے۔ کیا تعدادِ ازواج ایسی نیکی ہے

جس کی بجا آوری ہر مسلمان کا فرض ہے اور کیا تعداد ازواج کے جواز میں قانونِ قدرت اور فطرتِ انسانی سے کوئی دلیل مل سکتی ہے؟

اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ اسلام نے کہیں یہ دعوٰی نہیں کیا کہ تعداد ازدواج ایسی نیکی ہے جس کی بجا آوری ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسلام نے تعداد ازواج کو نہ تو ہر مسلمان کے لئے فرض قرار دیا ہے اور نہ ہر کس و ناکس کے لئے ایک سے زاید بیویاں کرنے پر اظہار پسندیدگی کیا ہے۔ تعداد ازواج کے لئے اس نے شرط یہ لازمی قرار دی ہے کہ خاوند تمام بیویوں کے درمیان مساوات اور عدل قائم رکھے۔ اور کسی بیوی کو بھی شکایت کا موقعہ نہ دے۔

اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ شریعتِ اسلامی خدا تعالیٰ کی طرف سے آخری شریعت ہے جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے اس لئے لازمی تھا کہ اس میں بنی نوع انسان کی ان تمام ضروریات اور مشکلات کا لحاظ رکھا جاتا جو آئندہ کے لئے قیامت تک انہیں پیش آنے والی ہیں۔

اسلام نے بنی نوع انسان کی جملہ مشکلات کو جن طریقوں سے حل کیا ہے اس سے بہتر حل ممکن نہیں۔ لیکن جن قوموں نے اسلام کے پیش کردہ حل کو چھوڑ کر خود ساختہ حل تلاش کرنے چاہے انہیں یا تو پیش آمدہ مسائل سے فرار اختیار کرنا پڑا یا افراط و تفریط کی راہیں اختیار کر کے اپنے لئے مزید مشکلات پیدا کرلیں۔ تعداد ازواج کے مسئلہ ہی کو لیجیئے۔ یورپ والے کہتے ہیں کہ تعداد ازواج ہمارے لئے قطعی ناقابلِ برداشت ہے۔ لیکن حقائق سے گریز کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں زنا عام ہے اور مرد و عورت کے آزادانہ اختلاط کو بری نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ تعداد ازواج ناقابلِ برداشت ہے لیکن بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کو بطور داشتہ گھر میں ڈال لینا جائز اور تہذیب کے عین مطابق ہے۔

انسانی تاریخ میں مختلف دور ایسے آتے رہے ہیں جب عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے اس حد تک بڑھ جاتی رہی ہے کہ ہر عورت کے لئے خاوند کا میسر آنا ناممکن ہو جاتا تھا۔ جنگ کے زمانے میں تو ہر وقت یہ صورت حال پیدا ہو سکتی ہے! اس وقت نہ صرف یہ کہ مردوں کی تعداد گھٹ جاتی ہے بلکہ ہزاروں لاکھوں عورتیں بیوہ ہو کر بے کسی اور بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ یورپ کی جنگ عظیم میں یہی ہوا۔ اول تو وہاں پہلے ہی مردوں کی تعداد عورتوں کی نسبت بہت کم تھی، دوسرے، جنگ کی تباہ کاریوں نے ان کی تعداد تشویش ناک حد تک کم دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے بعد تیس چالیس لاکھ عورتیں ایسی باقی رہ گئیں جن کے لئے یا تو خاوند میسر نہ تھے یا وہ بیوگی کی حالت میں ذلت آمیز زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور تھیں۔ اس صورتِ حال کو سامنے رکھیئے اور پھر تعدادِ ازواج کے مسئلے کو اپنے ذہن میں لایئے۔ تعدادِ ازواج کے خلاف خواہ کتنی دلیلیں دی جائیں لیکن یہ ماننا پڑیگا، کہ بیوگی کی ذلت آمیز زندگی کا مداوا تعدادِ ازواج کے سوا اور کوئی نہیں۔ اسی طرح یہ مسئلہ بظاہر کتنا ناگوار معلوم ہوتا ہو لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ غیر شادی شدہ عورتوں کے لئے سارا دن کارخانوں میں کام کرنے اور رات کو تکان سے چور ہو کر بستر پر آ پڑنے سے کہیں بہتر ہے کہ انہیں ایسے شوہروں کی رفاقت نصیب ہو جن کی گو پہلے سے بیویاں موجود ہوں لیکن اُن کے لئے بھی ان کی محبت کا دروازہ ایسے ہی کھلا ہو جیسے دیگر بیویوں کے لئے۔

عورت کی حریت و مساوات کے علمبردار اور تعدادِ ازواج کے مخالفین اپنی دلیل میں یہ امر بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر مردوں کو کئی بیویاں کرنے کی اجازت ہے تو عورتوں کو بیک وقت کئی خاوندوں سے نکاح کرنے کی کیوں اجازت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر فطرت کے بالکل برخلاف ہے اگر عورت بیک وقت

کئی مردوں سے تعلق قائم کرے تو بچوں کی پیدائش پر وہ اپنے خاوندوں کو کیسے یقین دلا سکے گی کہ فلاں بچہ فلاں خاوند کا ہے۔ ایسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچے کو کوئی خاوند بھی اپنی اولاد تسلیم نہیں کرے گا۔ اور ان بچوں کا مستقبل نہایت تاریک ہو جائے گا۔ لیکن کسی مرد کے ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی صورت میں اس قسم کی کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی۔

اس جگہ ایک اہم امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ بیوی کی آزادی اور عورت کی آزادی دو علیحدہ علیحدہ مسئلے ہیں، ایک مسئلہ نہیں۔

تفصیلات میں خواہ کتنا ہی اختلاف ہو، تاہم ہر شخص اس امر پر متفق ہے کہ رشتۂ ازدواج بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن کی پابندی کرنا نہ صرف بیوی بلکہ خاوند کا بھی فرض ہے۔ نہ بیوی کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے شریکِ زندگی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اور نہ مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے حقوق کی نگہداشت میں لاپرواہی سے کام لے۔

لیکن جس مسئلہ کے متعلق آجکل افراط و تفریط سے کام لیا جا رہا ہے وہ مجرّد عورت کی آزاد زندگی کا مسئلہ ہے۔

موجودہ زمانے کے نام نہاد آزادی کے علمبرداروں کا یہ خیال ہے کہ ہر ایسی عورت کو جو شادی کے بندھنوں میں گرفتار ہو چکی ہو، کامل آزادی ملنی چاہیئے۔ اور اسے جنسی قیود میں ہرگز نہ جکڑنا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ قیود دراصل مذہب کی طرف سے اس پر عاید کی گئی ہیں۔ جس قدر جلد ممکن ہو سکے عورت کو ان سے آزاد کر دینا چاہیئے اور جو بیڑیاں اس کے پاؤں میں ابتدائے آفرینش سے پڑی ہوئی ہیں انہیں یکسر اتار پھینکنا چاہیئے۔ اس طرح وہ انسان کو اشرف المخلوقات کے درجے سے گرا کر حیوان مطلق

کی سطح پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔

یہ خیال کہ مذہب نے انسان کو ناواجب قیود میں جکڑا ہوا ہے ایک عظیم مغالطہ ہے جو نام نہاد آزادی کے یہ علمبردار دنیا کو دینا چاہتے ہیں۔ عورت پر جو قیود لگی ہوئی ہیں وہ مذہب نے نہیں بلکہ فطرتِ انسانی نے لگائی ہیں اور فطرت کی قیود کو توڑنے والا اشرف المخلوقات نہیں بلکہ ارذل المخلوقات کہلانے کا مستحق ہے۔ فطرت کی عاید کردہ قیود کی پابندی کرنے کا نام اخلاق ہے اور اخلاق (خواہ ان کا تعلق جنسی امور سے ہو خواہ غیر جنسی امور سے) کی بنیاد ضبطِ نفس پر ہے۔ جو شخص اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتا۔ وہ ہرگز با اخلاق انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔

مثال کے طور پر کھانے کو لیجئے۔ بعض مخصوص حالتوں کے سوا مذہب نے کھانے پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ ہر شخص کو اجازت ہے کہ جب چاہے کھانا کھائے اور جتنا چاہے کھانا کھائے۔ لیکن جو شخص کھانا کھاتے وقت اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتا اور کھانا دیکھتے ہی اس پر اس طرح ٹوٹ کر گرتا ہے جیسے پانچ وقت کے فاقے سے ہو، ہرگز شریف انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا اور ہر محفل اور ہر جگہ ذلت کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

جنسی امور میں ضبطِ نفس لابدی چیز ہے۔ یہ ایک اخلاقی قیمت ہے جو مرد عورت سے طلب کرتا ہے اور عورت مرد سے اور وہ دونوں اس اولاد سے جو آگے چل کر اس فضیلت کی وارث بننے والی ہے۔

اگر ایک شخص آبرو باختہ عورت سے نفرت کرتا ہے تو وہ اس سے اس لئے نفرت نہیں کرتا کہ اس عورت نے دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے بلکہ اس لئے اس پر نفرین بھیجتا ہے کہ اس نے فطرت کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے اور فطرت کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کو مہذب انسانوں کی برادری میں کہیں بھی عزت

کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

یقیناً مذہب نے انسان پر جنسی امور کے بارے میں بعض پابندیاں عاید کی ہیں لیکن ظلم کے طور پر نہیں بلکہ محض اس لئے کہ فطرتِ انسانی ان پابندیوں کا تقاضا کرتی تھی۔ ان پابندیوں کے ذریعہ اخلاق کی بنیاد استوار کی جاتی ہے اور بنی نوع انسان کو اخلاقی قیود میں جکڑ کر انہیں تباہی سے بچایا گیا ہے۔

پس جو مذاہب ان قیود کو تسلیم کرتے ہیں وہ فطرتِ سلیمہ کی آواز پر لبیک کہہ کر ایسا کرتے ہیں لیکن جو لوگ انسان کو مادر پدر آزادی دلانے کے خواہاں ہیں وہ دراصل بنی نوع انسان پر بدترین ظلم ڈھا رہے ہیں اور فطرت کی آواز کا انکار کر کے انسانیت کو ہلاکت کے مہیب غار کی طرف دھکیلنا چاہتے ہیں۔ پس اصلی فضیلت یہی ہے کہ انسان فطرت کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنے اعمال کو اس کے مطابق ڈھالے اور غیر فطری امور سے اجتناب کر کے آپ کو حیوانِ مطلق بننے سے بچالے۔

☆

ترجمہ

رسالہ

عین الاصابہ

فیما

استدرکتہ السیدۃ عائشۃ علی الصحابۃ

از

مولانا جلال الدین سیوطی

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والسلام علیٰ عبادہ الذی اصطفیٰ

یہ رسالہ جس کا نام میں نے "عین الاصابہ فی استدرک عائشۃ علی الصحابۃ" رکھا ہے امام بدرالدین زرکشی کی کتاب "الاجابۃ لایراد ما استدرکتہ، عائشۃ علی الصحابہ" کا خلاصہ ہے۔ مگر خلاصہ کرنے کے باوجود میں نے اس امر کا خیال رکھا ہے کہ اگر اس موضوع کے متعلق مجھے کوئی نئی بات معلوم ہو تو اسے اپنے رسالہ میں زیادہ کر دوں۔

حضرت عائشہ رض نے مختلف علمی اور فقہی مسائل میں دیگر صحابہ کرام سے جو اختلاف کیا ہے اس رسالہ میں انہی اختلافات کا ذکر ہے اس موقعہ پر اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ اس موضوع پر شیخ بدرالدین زرکشی کی مذکورہ بالا کتاب کو اولیت کا درجہ حاصل نہیں ہے بلکہ ان سے بھی پہلے مشہور فقیہہ اور محدث الاستاد ابو منصور بن حسن بن محمد بن علی بن طاہر البغدادی ایسی ہی ایک کتاب تالیف فرما چکے ہیں۔ گو وہ بہت مختصر ہے اور اس میں صرف پچیس مسائل کا تذکرہ ہے اس کا علم مجھے ابو عبداللہ بن معقل کے ذریعے ہوا۔

بابِ فضائلِ عائشة :

حضرت عائشہؓ کے علم و فضل کا بیان

مصنّف (امام بدرالدین زرکشی) نے کتاب الاجابۃ میں اور حاکم نے مستدرک میں عروہ کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں :

"میں نے حلال و حرام کے مسائل، علوم و فنون، شعر اور طب میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو باخبر نہیں دیکھا۔"

حاکم نے عروہ ہی کی ایک روایت درج کی ہے جس میں ذکر تے ہیں :

"میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا سنن و فرائض تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے، شعر اور عربی زبان کا علم آپ کو عرب شعرا اور زبان آور خطیبوں کے ذریعے حاصل ہوا لیکن یہ فرمائیے کہ طب کس ذریعے سے حاصل کیا؟" انہوں نے جواب میں فرمایا: "جن دنوں رسول اللہ صلعم صاحب فراش تھے تو اطبائے عرب آپ کے پاس آیا کرتے تھے۔ میں نے انہی سے یہ علم سیکھا۔"

مسروق ذکر کرتے ہیں :

"خدا کی قسم! میں نے صحابہ رضؓ کو حضرت عائشہ رضؓ سے میراث کے مسائل پوچھتے سنا ہے۔" (مستدرک حاکم)

عطا کہتے ہیں:

"عامۃ الناس میں حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ فقیہہ، عالم اور صاحب الرائے اور کوئی نہ تھا۔" (مستدرک حاکم)

امام زہری فرماتے ہیں:

"اگر تمام صحابہ رضؓ کا علم یکجا کر لیا جائے پھر رسول اللہ صلعم کی ازواج مطہرات کا علم بھی اس کے ساتھ ملا لیا جائے تب بھی حضرت عائشہ رضؓ کا علم ان سب کے یکجائی علم سے بڑھ کر ہوگا۔" (مستدرک حاکم)

موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں:

"میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ فصیح اور کسی کو نہیں دیکھا۔" (مستدرک حاکم)

احنف ذکر کرتے ہیں:

"میں نے ابوبکر رضؓ، عمر رضؓ، عثمان رضؓ، علی رضؓ اور دیگر حکام و امراء کے خطبات سنے ہیں لیکن جو شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت میں نے حضرت عائشہ رضؓ کے خطبوں میں پائی وہ اور کسی کے خطبوں میں نہیں تھی۔" (مستدرک حاکم)

حضرت عائشہ رضؓ خود فرماتی ہیں:

"میں فخر نہیں کرتی لیکن اللہ تعالےٰ نے مجھے نو باتیں ایسی مرحمت فرمائی ہیں جو مجھ سے پہلے سوائے مریم بنت عمران کے اور کسی عورت کو عطا نہیں ہوئیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ شادی سے قبل جبریل میری تصویر لے کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۲۔ حضورؐ نے مجھ سے اس وقت نکاح کیا جب میری عمر صرف سات سال کی تھی۔

۳۔ رخصت کے وقت میری عمر نو برس کی تھی۔

۴۔ میرے سوا حضورؐ نے اور کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔

۵۔ میرے لحاف کے سوا اور کسی بیوی کے لحاف میں حضورؐ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

۶۔ میں حضورؐ کی سب سے محبوب بیوی تھی۔

۷۔ میرے بارے میں قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں۔

۸۔ میرے سوا حضورؐ کی اور کسی بیوی نے جبریلؑ کی زیارت نہیں کی۔

۹۔ حضورؐ نے میرے ہی حجرے میں وفات پائی اور وفات کے وقت حجرے میں میرے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔

(مستدرک حاکم)

باب الطہارۃ

غسل کے مسائل

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں۔ میں حضرت عائشہ رضؓ کے پاس گیا اور عرض کیا:
" ام المومنین! جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ غسل شرعی کے لئے خروجِ مادہ شرط ہے"!
حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا:
" جابر غلط کہتے ہیں۔ غسل خروجِ مادہ کے بغیر بھی واجب ہوتا ہے اگر خروجِ مادہ کے بغیر رجم واجب ہو جاتا ہے تو غسل کیوں نہیں ہو سکتا۔"
ہشام بن عروہ اپنے والد کی زبانی یہ روایت بیان کرتے ہیں:
" ابن عمر کا فتویٰ یہ تھا کہ بوسہ لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضرت عائشہ رضؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا:
رسول اللہ صلعم روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے لیکن دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے۔" (سنن دارقطنی)
عبید بن عمیر روایت بیان کرتے ہیں:
" حضرت عائشہ رضؓ کو معلوم ہوا کہ ابن عمر رضؓ عورتوں کو اپنی چوٹیاں کھول کے غسل کرنے کا فتویٰ دیتے تھے۔ انہوں نے فرمایا:" ابن عمر یہ کیوں نہیں کہتے کہ غسل

کے وقت عورتیں اپنا سر ہی منڈوا دیا کریں۔ میں اور حضورؐ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے لیکن میں نے کبھی اپنے سر کی چوٹی نہیں کھولی بلکہ اس پر تین چلّو پانی بہا لیا کرتی تھی۔ (مسلم ونسائیؒ)

ابو منصور بغدادی نے اپنی کتاب میں عبدالرحمٰن بن حاطب کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضؓ کہا کرتے تھے کہ جو شخص مُردے کو غسل دے وہ بعد میں خود بھی غسل کرے اور جو جنازہ کو کندھا دے وہ وضو کرے۔ جب حضرت عائشہ رضؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ کیا مسلمانوں کے مردے بھی نجس ہیں کہ انہیں ہاتھ لگانے سے غسل کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص جنازہ کو کندھا دیتا ہے (اور بعد میں وضو نہیں کرتا)، تو اس میں حرج کی کیا بات ہے!!

باب الصلوٰۃ

نماز کے مسائل

ابو سلمہ ذکر کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضؓ رسول اللہ صلعم کی جانب یہ قول منسوب کیا کرتے تھے :

"جس نے وتر نہیں پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی "

جب حضرت عائشہ رضؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ ہم سب نے ابو القاسم (رسول اللہ صلعم) کو کہتے سنا اور اب تک ہم نہیں بھولے کہ جو شخص پانچوں وقت کی نمازیں وقت پر پورے رکوع اور سجود کے ساتھ ادا کرتا رہا، اس میں کمی نہیں کی اس نے خدا سے عہد لے لیا کہ وہ اسے عذاب نہ دیگا لیکن جس نے کمی کی اس نے عہد نہیں لیا۔ اللہ تعالےٰ چاہے تو بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔[1]

(معجم طبرانی)

ابو القاسم بن محمد روایت کرتے ہیں :

---

[1] حضرت عائشہ رضؓ کا مقصود اس حدیث کے بیان کرنے سے یہ تھا کہ وتر کی نماز فرائض میں نہیں بلکہ سنتوں میں شامل ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ وتر کی نماز ادا نہ کرنے سے دوسری نمازیں بھی قبول نہیں ہوتیں تو اس صورت میں لازمی ہے کہ اس شخص کو عذاب کا مستحق سمجھا جائے حالانکہ عذاب کا اصل مستحق فرائض کو ترک کرنے والا ٹھہرتا ہے نہ کہ سنتوں کو ترک کرنے والا۔ (مترجم)

حضرت عائشہ رض کو معلوم ہوا کہ ابوہریرہ کہتے ہیں "اگر عورت سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے" انہوں نے فرمایا:

"رسول خدا صلعم رات کو تہجد کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ میں آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی۔ جب حضور سجدہ کرنے لگتے تھے ہاتھ سے میرے پاؤں کو ہلاتے تھے میں اپنے پاؤں کو سکیڑ لیا کرتی تھی اور جب حضور سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو دوبارہ پھیلا لیتی تھی۔"

ابونہیک ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوالدرداء رض نے خطبہ کے دوران میں کہا "جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے اور صبح کی نماز کے وقت اس کی آنکھ کھلے تو وہ وتر ادا نہیں کر سکتا۔ جب حضرت عائشہ رض کو ابوالدرداء رض کی اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا:

ابوالدرداء رض غلط کہتے ہیں۔ بعض اوقات حضور کے وتر بھی رات کو ادا ہو جانے سے رہ جاتے تھے لیکن حضور انہیں صبح کی نماز کے وقت ادا فرما لیتے تھے۔ (سنن بیہقی)

حضرت انس رض کہتے ہیں کہ حضرت عمر رض عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے کے وقت تک نوافل ادا کرنا جائز نہ سمجھتے تھے جب حضرت عائشہ رض کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: "عمر کو غلط یاد ہے۔ حضور نے عصر کی نماز کے بعد سورج کے غروب ہونے تک کوئی اور نماز ادا کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ صرف اس بات سے منع فرمایا ہے کہ تاک کر سورج کے طلوع یا غروب ہونے وقت نماز پڑھی جائے۔

(صحیح مسلم)

بابُ الجنائز

جنازہ کے مسائل

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"میں نے کہلا بھیجا تھا کہ سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مسجد نبوی میں لایا جائے۔ تاکہ ہم عورتیں بھی نماز جنازہ میں شریک ہوسکیں لیکن لوگوں نے اسے بُرا منایا۔"

یہ کہہ کر فرمایا: لوگ کتنی جلدی حضورؐ کے زمانے کے واقعات بھول گئے حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سہل بن بیضاد کا جنازہ مسجد ہی میں پڑھایا تھا۔"

(مسلم)

عبداللہ بن ابی ملکیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ بن عفان کی ایک بیٹی فوت ہوگئیں۔ ہم تعزیت کے لئے ان کے مکان پر گئے۔ وہاں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ بھی موجود تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے عمرو بن عثمانؓ سے (جو اپنی بہن کے فوت ہونے پر رو رہے تھے) کہا۔ رو و مت کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے پر عذاب دیا جاتا ہے۔" ابن عباسؓ کہتے ہیں حضرت عمرؓ بھی یہی کہا کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ عمرؓ پر رحم کرے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مومن کو کسی شخص کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ کافر کو اس کے گھر والوں کے آہ و بکا کرنے پر اور زیادہ عذاب دیا جاتا ہے۔ تمہارے لئے سب سے بڑی حجت قرآنِ کریم ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ (قیامت میں کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)

ابن ملکیہ کہتے ہیں کہ جب ابن عمر کو حضرت عائشہ رضؓ کی یہ حدیث سنائی گئی تو انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ (بخاری، مسلم)

عمرہ نے حضرت عائشہ رضؓ کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے ۔ کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ میت کو اس کے گھر والوں کی آہ و بکا کے سبب عذاب دیا جائے گا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے یہ سن کر کہا۔" اللہ تعالےٰ ابو عبدالرحمٰن کو معاف کرے، انہوں نے جھوٹ تو نہیں بولا لیکن معلوم ہوتا ہے وہ بھول گئے ہیں یا انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ واقعہ صرف اتنا ہوا کہ حضورؐ ایک یہودیہ کے جنازے کے پاس سے گزرے۔ اس کے گھر والے اس کا ماتم کر رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا:" یہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں لیکن اسے قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔" (بخاری، مسلم)

عمرہ بنت عبدالرحمٰن ذکر کرتی ہیں:" کسی شخص نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے حضورؐ کو دھاری دار یمنی چادر میں کفنایا گیا تھا۔ کیا یہ صحیح ہے۔ انہوں نے فرمایا:" لوگ دھاری دار یمنی چادر لائے تو تھے لیکن وہ استعمال نہیں کی گئی۔" (مسلم)

ابن عمرؓ بیان کیا کرتے تھے کہ جنگِ بدر ختم ہونے کے بعد حضورؐ اس کوئیں پر تشریف لائے جس میں کفار مکہ کی لاشیں گھسیٹ کر ڈال دی گئی تھیں۔ اور فرمایا:" اب تو تمہیں پتہ چل گیا ہوگا کہ تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا۔" لوگوں نے

عرض کیا۔"حضور! کیا یہ مردے آپ کی آواز سنتے ہیں؟" آپ نے فرمایا۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے یہ بھی تک سُن رہے ہیں"۔

جب حضرت عائشہ رضؓ کو ابن عمر رضؓ کی اس روایت کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ اب انھیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں جو کچھ کہا کرتا تھا وہ سچ تھا"۔ (طبرانی)

ایک مرتبہ ابوہریرہ رضؓ نے لوگوں کے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ حضورؐ نے فرمایا ہے "جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند فرماتا ہے۔ لیکن جو بندہ اللہ تعالےٰ سے ملاقات پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتا"۔

جب حضرت عائشہ رضؓ کو ابوہریرہ رضؓ کی روایت کردہ اس حدیث کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ ان پر رحم فرمائے انہوں نے حدیث کا آخری حصّہ تو بیان کر دیا لیکن ابتدائی حصّہ چھوڑ گئے۔ پوری حدیث یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی وفات والے سال ایک فرشتے کو مقرر کرتا ہے جو اسے وقتاً فوقتاً جنت کی بشارت دیتا رہتا ہے اور اسے صراطِ مستقیم پر گامزن رکھ سکتا ہے۔ جب اس بندے کی وفات کا وقت آتا ہے تو فرشتہ اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے۔" اے نفسِ مطمئنہ! تو دنیوی آلائشوں سے چھٹکارا پا کر اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہو رہا ہے جہاں تیرے لئے ہر قسم کی آلائش مہیا ہیں۔ تجھے وہاں خدا تعالیٰ کا دیدار بھی میسّر ہوگا۔ یہی وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالےٰ کے دربار میں باریابی کا مشتاق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کا خواہشمند ہوتا ہے لیکن جب خداوند تعالےٰ کسی بندے کو عذاب دینا چاہتا ہے تو اس کی وفات والے سال ایک شیطان کو اس پر مسلط کر دیتا ہے جو

اسے سیدھی راہ سے بھٹکا کر بدی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔ جب اس کی موت کا وقت نزدیک آتا ہے تو ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کے لئے حاضر ہو جاتا ہے۔ اس پر وہ شیطان اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: "اے شخص! خدا کے دربار میں تیری پیشی کا وقت آچکا ہے اور اللہ کا غضب اور عذاب تجھ پر نازل ہونے والا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ اس سے (بحالتِ رضامندی) ملنا ناپسند کرتا ہے۔ (دار قطنی)

حضرت ابوسعید خدری رضؓ نے وفات کے قریب نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا: "میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ وہ مردہ انہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن کپڑوں میں اس نے وفات پائی تھی۔" جب حضرت عائشہؓ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا:

"اللہ تعالےٰ ابوسعید پر رحم فرمائے۔ حضورؐ کا مطلب وہ نہ تھا جو ابوسعید نے سمجھا۔ بلکہ یہ تھا کہ بندہ وفات کے قریب جس قسم کے اعمال بجا لائے گا قیامت میں انہی کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے گا۔ کپڑوں میں اٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضورؐ فرماتے ہیں: "قیامت کے روز لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن، بغیر ختنہ کئے اٹھائے جائیں گے۔" (ابوداؤد۔ ابن حبان۔ حکم)

ابومنصور بغدادی ابوعطیہ کی ایک روایت اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں:

"میں اور مسروق حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مسروق نے عرض کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضؓ کہتے ہیں: "جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالےٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔"

یہ سن کر حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا:

"اللہ تعالےٰ ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائے انہوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ تو

بیان کر دیا لیکن آخری حصہ بیان نہ کیا اور تم نے بھی ان سے نہ پوچھا حضورؐ کی پوری حدیث اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے تو اس کی وفات والے سال اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اسے صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیتا ہے اور نیک اعمال اس سے صادر ہونے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کی وفات کے بعد لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص بہترین زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہوا۔ وفات کے بعد جب وہ اللہ تعالےٰ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے اور جنت کی نعما اپنے سامنے دیکھتا ہے تو اس کا دل خوشی سے معمور ہو جاتا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب وہ خدا تعالےٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کرنا پسند فرماتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جب اللہ تعالےٰ کسی بندے سے (اس کی بداعمالیوں کے سبب) برا سلوک کرنا چاہتا ہے تو اس کی وفات والے سال ایک شیطان اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ وہ اسے سیدھی راہ سے ہٹا کر گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ جب وہ مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے بدترین حالت میں وفات پائی۔ جب وہ دوبارہ اٹھایا جاتا ہے تو اپنی بداعمالیوں کے باعث جہنم کے عذاب کو اپنے سامنے دیکھتا ہے تو اس کے حزن والم کی انتہا نہیں رہتی۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالےٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ اس سے ملاقات کرنا ناپسند فرماتا ہے۔"

باب الصیام

روزوں کے مسائل

حضرت ابن عمر رضؓ نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے "مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے" لوگوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے اس کا ذکر کیا انہوں نے فرمایا: "اللہ تعالےٰ ابوعبدالرحمٰن پر رحم کرے۔ حضورؐ نے مہینے کے لئے انتیس دن کی تحدید نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ یہ کہا تھا کہ مہینہ کبھی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے ساتھ ہی پوری حدیث بھی بیان فرمائی" اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلعم نے قسم کھائی تھی کہ آپ مہینہ تک اپنی بیویوں سے کلام نہیں کریں گے۔ یہ دن حضورؐ نے ایک بالاخانے پر بسر فرمائے، جب انتیس دن ہو چکے تو حضورؐ بالاخانے سے اتر کر میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا "آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک ہم سے بات چیت نہ کریں گے" آپؐ نے فرمایا "مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔" (مسند احمد بن حنبل)

ابوبکر عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہ رضؓ نے ایک مرتبہ دوران وعظ میں کہا "اگر روزے کے دنوں میں کسی کو صبح نہانے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ روزہ نہ رکھے" میں نے ابوہریرہ رضؓ کی یہ بات عبدالرحمٰن بن حارث سے بیان کی انہوں نے اپنے والد سے اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا "میں نے حضورؐ سے اس قسم کی

کوئی حدیث نہیں سنی " ابوبکر بن عبدالرحمن کہتے ہیں. میں اور عبدالرحمٰن بن حارث حضرت عائشہ رض اور حضرت ام سلمہ رض کے پاس پہنچے لیکن ان دونوں نے ابوہریرہ رض کی بات کی تردید کی اور کہا کہ حضور ص کو جب یہ حالت پیش آتی تھی تو آپ کبھی روزہ قضا نہ کرتے تھے. ہم دونوں وہاں سے اٹھ کر مروان کے پاس آئے. عبدالرحمٰن نے یہ سب ماجرا اس سے بیان کیا. مروان نے کہا " میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم ابوہریرہ رض کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے ان کے قول کی تردید کرو " چنانچہ ہم ابوہریرہ رض کے پاس آئے. عبدالرحمٰن نے ان سے حضرت عائشہ رض اور حضرت ام سلمہ رض کی فرمودہ حدیث بیان کی. انہوں نے پوچھا " کیا واقعی وہ دونوں یہ کہتی ہیں؟" انہوں نے کہا. ہاں! ابوہریرہ رض نے کہا " اصل بات یہ ہے کہ میں نے یہ مسئلہ فضل بن عباس سے سنا تھا. براہِ راست رسول اللہ صلعم سے نہیں سنا. اب تم کہتے ہو کہ عائشہ رض اور ام سلمہ رض اس کی تردید کرتی ہیں تو میں اپنے فتویٰ سے رجوع کرتا ہوں " (مسلم)

بزاز اپنی مسند میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے علاوہ ہمیں اور کسی ایسی حدیث کا علم نہیں جسے ابوہریرہ رض نے فضل بن عباس کے حوالہ سے بیان کیا ہو.

بابُ الحَج

حج کے مسائل

سالم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن عمرؓ نے اپنے والد کا یہ قول بیان کیا کہ رمی کرنے اور سر منڈانے کے بعد حاجیوں پر عورتیں اور خوشبو کے سوا دوسری چیزیں جائز ہو جاتی ہیں۔ سالم کہتے ہیں جب حضرت عائشہؓ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ سوائے عورتوں کے باقی سب چیزیں جائز ہو جاتی ہیں جب حضورؐ احرام کھول دیا کرتے تھے تو میں حضورؐ کے کپڑوں کو خوشبو لگایا کرتی تھی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ (سنن بیہقی)

عمرہ بنت عبدالرحمن سے روایت ہے کہ زیاد بن ابوسفیان نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ایک مکتوب روانہ کیا جس میں لکھا کہ عبداللہ بن عباس کہتے ہیں جو شخص خود حج کے لئے نہ جا سکے لیکن قربانی کا جانور حرم میں ذبح کرنے کے لئے بھیج دے اس پر قربانی کے ذبح ہونے تک تمام وہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو ایک حاجی پر حرام ہوتی ہیں۔ میں نے بھی اپنی قربانی بھیجی ہے۔ آپ مجھے لکھیئے کہ کیا واقعی مسئلہ اسی طرح ہے؟ عمرہ کہتی ہیں حضرت عائشہؓ نے جواب میں لکھوایا کہ ابن عباس کا کہنا درست نہیں۔ میں اپنے ہاتھ سے قربانیوں کے جانوروں کے لئے قلادے (جانوروں کے

گلوں میں ڈالنے کی رسّی) بنا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلعم وہ قلاوے اپنے ہاتھ سے جانوروں کو پہناتے تھے اور پھر میرے والد کے ہمراہ انہیں مکہ معظمہ بھیج دیا کرتے تھے لیکن اپنے اوپر کوئی چیز ایسی حرام نہیں کرتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے جائز ٹھہرایا ہوا ہوتا تھا"
(سنن بیہقی)

امام زہری بیان کرتے ہیں کہ اس مسئلے کے بارے میں سب سے پہلے حضرت عائشہ رضؓ نے لوگوں کی غلط فہمیاں دور کیں اور انہیں سنتِ نبوی سے آگاہ کیا۔ زہری کہتے ہیں۔ مجھے عروہ اور عمرہ نے بتایا کہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی تھیں، میں قربانیوں کے جانوروں کی رسّیاں بنا کرتی تھی حضورؐ انہیں مکہ بھیج دیا کرتے تھے لیکن کسی چیز سے اجتناب نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ وہ قربانی مکہ میں ذبح ہو جاتی تھی۔ جب حضرت عائشہ رضؓ کے اس قول کا پتہ چلا تو انہوں نے اسی پر عمل شروع کر دیا اور ابن عباس رضؓ کے فتوے کو ترک کر دیا۔ (بیہقی)

محمد بن منتشر کہتے ہیں :" میں نے ابن عمر رضؓ سے احرام سے قبل خوشبو لگانے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا میں اپنے بدن پر تارکول بھروانا پسند کروں گا لیکن یہ پسند نہیں کروں گا کہ حالتِ احرام میں میرے جسم سے عطر کی خوشبو آئے۔ جب اس امر کا تذکرہ حضرت عائشہ رضؓ کے حضور ہوا تو انہوں نے فرمایا میں رات کے وقت حضورؐ کو خوشبو لگایا کرتی تھی، صبح اٹھ کر آپ احرام باندھتے تھے اور آپؐ کے جسم سے خوشبو کی مہک بدستور آیا کرتی تھی۔" (بخاری، مسلم، نسائی)

مجاہد سے روایت ہے کہ عروہ نے ابن عمر رضؓ سے پوچھا" رسول اللہ صلعم نے کتنے عمرے ادا کئے ؟" انہوں نے جواب دیا چار عمرے اور ان میں سے ایک ماہِ رجب میں ادا فرمایا۔ حضرت عائشہ رضؓ کا حجرہ قریب ہی تھا۔ عروہ نے پکار کر کہا " ام المومنین آپ سنتی ہیں ابو عبدالرحمٰن کیا کہہ رہے ہیں ؟" انہوں نے پوچھا۔ کیا کہہ رہے ہیں ؟ عروہ نے

کہا۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے چار عمرے کئے اور ان میں سے ایک ماہِ رجب میں ادا فرمایا۔" انہوں نے کہا ، اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے۔۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں وہ (ابن عمرؓ) حضورؐ کے شریک نہ رہے ہوں (اس پر بھی وہ بھول گئے) حضورؐ نے ماہِ رجب میں کوئی عمرہ ادا نہیں فرمایا۔" (بخاری و مسلم)

لیکن ابو داؤد ، نسائی اور ابن ماجہ نے جو حدیث بیان کی ہے وہ مذکورہ بالا حدیث سے کچھ مختلف ہے۔ یہ حضرات مجاہد ہی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ کسی نے ابن عمرؓ سے پوچھا۔" حضورؐ نے کتنے عمرے کئے ؟" انہوں نے جواب دیا۔ "دو" جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا "تعجب ہے ابن عمرؓ با وجود علم رکھنے کے ایسی بات کہتے ہیں اور حجۃ الوداع کے ساتھ جو عمرہ کیا تھا وہ اس کے علاوہ ہے۔"

سالم بن عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ان کے والد یہ فتویٰ دیتے تھے کہ عورتیں جب احرام باندھیں تو اپنے موزوں کو کاٹ کر انہیں جوتیاں بنا لیں لیکن صفیہ نے انہیں بتایا کہ عائشہؓ کا فتویٰ اس کے برعکس ہے۔ وہ عورتوں کو حالت احرام میں موزے کاٹ دینے کا حکم نہیں دیتیں۔ یہ سن کر ابن عمرؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا۔ (شافعی۔ بیہقی)

ابن خزیمہ اور ابن داؤد سالم بن عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ عورتیں جب احرام باندھیں تو اپنے موزوں کو کاٹ دیں۔ اور انہیں جوتیاں بنا لیں لیکن پھر صفیہ بنت ابی عبید نے انہیں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سنائی جس میں انہوں نے بیان کیا کہ حضورؐ نے ایام حج میں عورتوں کو موزے پہننے کی اجازت دے دی تھی۔ اس پر ابن عمرؓ نے اپنے فتویٰ کو واپس لے لیا۔

امام احمد بن حنبلؒ کتاب "المناسک الکبیر" میں مجاہد کی ایک روایت بیان

کرتے ہیں جو یہ ہے:

عائشہ رض کہا کرتی تھیں مجھے ابن زبیر کے اس فتوا ے پر تعجب ہوتا ہے کہ فریضہ حج ادا کرنے والی عورتیں چار انگل بال کٹوائیں حالانکہ انہیں صرف کسی طرف کی ذراسی لٹ ترشوا دینی کافی ہے۔"

ابن اسحٰق کہتے ہیں" ایک مرتبہ براء نے ذکر کیا کہ حضور نے تین عمرے کئے اور تینوں ذی العقد میں کئے۔ حضرت عائشہ رض کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور نے چار عمرے کئے ہیں اور ان میں وہ عمرہ بھی شامل ہے جو آپ نے حجۃ الوداع کے ساتھ ادا فرمایا۔" (سنن بیہقی)

ابو علقمہ بیان کرتے ہیں کہ شیبہ بن عثمان (نگران خانہ کعبہ) حضرت عائشہ رض کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔" ام المومنین! خانہ کعبہ کے غلاف ہمارے پاس کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں اور ہم اس ڈر سے کہ کہیں لوگ ناپاکی کی حالت میں نہیں استعمال میں نہ لے آئیں انہیں گہرا گڑھا کھود کر دبا دیتے ہیں حضرت عائشہ رض نے فرمایا،" تم بہت برا کرتے ہو۔ غلاف جب خانہ کعبہ سے اتار لیا گیا تو وہ تمھارے لئے بیکار ہے۔ خواہ اسے اجنبی پہنیں یا حائضہ عورتیں۔ آئندہ سے تم اترے ہوئے غلاف کو بیچ دیا کرو اور جو رقم حاصل ہو اسے مسکینوں اور مسافروں میں تقسیم کر دیا کرو۔"

(سنن بیہقی)

باب البیع

خرید و فروخت کے مسائل

ابو اسحٰق سبیعی کی بیوی بیان کرتی ہیں کہ چند عورتوں کے ہمراہ حضرت عائشہ رض کی خدمت میں حاضر ہوئیں ایک عورت نے ذکر کیا۔

"ام المومنین! میری ایک لونڈی تھی۔ میں نے اسے زید بن ارقم کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں بیچ دیا لیکن انہوں نے قیمت اُس وقت نہیں دی بلکہ یہ کہا کہ جب وظیفہ کی رقم ملے گی تو ادا کر دیں گے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے بھی اس لونڈی کو بیچنے کا ارادہ کیا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے چھ سو درہم نقد دے کر وہ لونڈی ان سے خرید لی۔" (اور اس طرح مجھے دو سو درہم فائدہ رہا) حضرت عائشہ رض نے یہ سن کر فرمایا "تم نے بھی برا کیا اور زید نے بھی برا کیا۔ زید کو میری طرف سے کہہ دینا کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو حضور ﷺ کی معیت میں انہوں نے جہاد کا جو ثواب حاصل کیا تھا وہ باطل ہو جائے گا" یہ سن کر اس عورت نے کہا "ام المومنین! آپ کا مطلب یہ ہے کہ اب ان سے لونڈی کی صرف اصل قیمت لینے کا اختیار ہے" انہوں نے فرمایا "ہاں" اور یہ کہہ کر یہ آیت پڑھی۔

فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف ۰

(جس شخص کو اپنے پروردگار کی طرف سے (سود کے بارے میں) نصیحت آچکی اور یہ نصیحت سن کر وہ سود لینے سے باز آگیا تو اسے اپنے قرض خواہوں سے صرف اسی قدر لینا چاہیے جس قدر پہلے دیا تھا)

(مصنف عبد الرزاق سنن بیہقی، سنن دار قطنی)

بابُ النکاح

شادی بیاہ کے مسائل

ابن ابی ملکیہ سے روایت ہے کہ کسی عورت نے حضرت عائشہ رضؓ سے متعہ کی حلت و حرمت کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا "ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ فیصلہ کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔۔ والذین لفروجہم حٰفظون۔ الاّ علیٰ ازواجہم او ماملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین فمن ابتغیٰ وراء ذالک فاولٰئک ھم العٰدون (وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں یا اپنی لونڈیوں کے ان پر کوئی ملامت نہیں لیکن جو اس حد سے آگے بڑھتے ہیں وہ یقیناً زیادتی کرنے والے ہیں)

پس جو شخص اپنی منکوحہ بیوی اور لونڈی کے علاوہ اور کسی سے تعلق پیدا کرتا ہے وہ یقیناً خدائی فرمان کے خلاف کرتا ہے۔" (حاکم)

مسلم نے اپنی صحیح حدیث میں شعبی کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں فاطمہ بنت قیس کے پاس گیا اور ان سے اس فیصلہ کے متعلق دریافت کیا جو ان کے مقدمہ طلاق کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا۔ مجھے میرے شوہر نے طلاق دیدی تھی۔ میں حضورؐ کے پاس گئی اور عرض کیا کہ حضورؐ میرے شوہر کو حکم دیں کہ وہ طلاق کی مدت ختم ہونے تک میری رہائش اور نان و نفقہ کا بندوبست

کرے لیکن حضورؐ نے میرے دعوے کو تسلیم نہ کیا۔"

بخاری اور ابوداؤد میں عروہ کی ایک روایت ہے جس میں وہ کہتی ہیں کہ عائشہ رضؓ فاطمہ بنت قیس پر سخت نکتہ چینی کیا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ فاطمہ کا مکان سنسان اور ویران جگہ پر واقع تھا اس لئے حضورؐ نے انہیں وہاں سے منتقل ہونے کی ہدایت فرمائی تھی۔[1]

مسلم نے عروہ کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ سعید بن عاص کے لڑکے نے عبدالرحمٰن بن حکم کی لڑکی سے شادی کی، لیکن بعد میں اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔ میں نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ فاطمہ بنت قیس بھی تو طلاق ہونے کے بعد اپنے شوہر کے گھر سے نکل آئی تھیں۔ عروہ کہتے ہیں میں حضرت عائشہ رضؓ کے پاس آیا اور یہ ماجرا ان سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا: "فاطمہ بنت قیس کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ یہ حدیث بیان کریں۔"

---

[1] ورنہ اسلام کا حکم یہی ہے کہ مطلقہ عورت عدت کے دن اپنے شوہر کے گھر میں گزارے۔ (مترجم)

باب جامع

متفرق مسائل

امام بخاریؒ نے قاسم کی ایک روایت اپنی صحیح حدیث میں درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا "جو شخص کہتا ہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے وہ بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے صرف جبریل کو اپنی اصلی صورت اور خلقت میں دیکھا ہے اور اس حالت میں دیکھا ہے کہ ان کا وجود زمین و آسمان کی پہنائیوں پر محیط تھا۔"

مسلم نے مسروق کی ایک روایت بیان کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں "میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا "ام المومنین! رسول اللہ صلعم نے اپنے رب کو دیکھا ہے" انہوں نے جواب دیا "تمہاری بات سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ سنو! جو شخص تم سے کہتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے رب کو دیکھا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔" اس کے بعد یہ آیت پڑھی: لاتدرکہ الابصار وھو یدرکہ الابصار، وھو اللطیف الخبیر (آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالٰی لطیف اور خبیر ہے) حضرت عائشہ رضؓ نے یہ بھی فرمایا حضورؐ نے جبریل کو دو مرتبہ ضرور دیکھا ہے۔"

بخاری نے ابن ملکیہ کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ ابن عباس رضؓ نے یہ آیت تلاوت کی۔ حتیٰ اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا۔

ہیں (ابن ملکیہ) عروہ بن زبیر سے ملا اور ان سے کہا کہ ابن عباس "کذبوا" کے دال کو بغیر تشدید کے پڑھتے ہیں[1] انہوں نے کہا حضرت عائشہ رضؓ کے سامنے بھی ایک دفعہ یہی سوال پیش ہؤا تھا اور ان سے کہا گیا تھا کہ اس آیت کی قرأت "کُذِبُوا" نہیں بلکہ کُذِّبُوا ہے۔ انہوں نے یہ سن کر فرمایا "معاذاللہ، اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے وعدوں کو جھوٹا سمجھنے لگتے ہوں گے۔ اللہ اپنے رسولوں سے جو وعدہ کرتا ہے رسولوں کو یقین ہوتا ہے کہ وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ آیت کا مطلب دراصل یہ ہے کہ رسولوں پر اس قدر مصیبتیں نازل ہوتی ہیں کہ انہیں یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ ان پے در پے مصائب اور آلام کو دیکھ کر ان کے ماننے والے ہی انہیں جھٹلانے لگیں گے۔ اس لئے تم اس آیت میں کذبوا کو ذال کی تشدید کے ساتھ پڑھو" (جس کے معنی جھٹلائے جانے کے ہیں نہ کہ تخفیف کے ساتھ جس کے معنی جھوٹا وعدہ کئے جانے کے ہیں)

طیالسی نے اپنی مسند میں مکحول کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

"ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے تھے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ نحوست تین چیزوں میں ہے۔ گھر میں، عورت میں اور گھوڑے میں۔ حضرت عائشہ رضؓ کو جب اس کا علم ہؤا تو انہوں نے فرمایا "ابوہریرہ رضؓ نے پوری حدیث بیان نہیں کی۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضورؐ یہ بیان فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ

---

[1] ابن عباس نے کذبوا پڑھا تھا۔ اس صورت میں آیت کے لفظی معنی یہ بنتے ہیں کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور انہیں خیال پیدا ہؤا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا۔ اور رسولؐ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ (مترجم)

نحوست تین چیزوں میں ہے۔ گھر میں، عورت میں اور گھوڑے میں۔ ابوہریرہؓ نے حدیث کا پہلا حصہ تو سنا نہیں، آخری حصہ سن کر روایت کرنا شروع کر دیا۔

امام احمد بن حنبل نے مسند میں ابوحسان الاعرج کے حوالے سے یہ روایت درج کی ہے کہ دو آدمی حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بدشگونی عورت، چوپائے اور گھر میں ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا: " اس خدا کی قسم! جس نے ابوالقاسم پر قرآن نازل فرمایا کہ اصل بات وہ نہیں ہے جو ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ بدشگونی عورت، چوپائے اور گھر میں ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر حضرت عائشہ رضؓ نے یہ آیت پڑھی: ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرءھا ہ (روئے زمین کے جس شخص پر بھی کوئی مصیبت آتی ہے وہ ہم نے اس کی پیدائش سے پہلے ہی صحیفہ میں لکھ رکھی ہے۔)

بزاز علقمہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں " ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت عائشہ رضؓ سے بیان کیا کہ ابوہریرہ رضؓ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے یہ سن کر فرمایا " وہ عورت کافرہ تھی "

علقمہ نے ابوہریرہؓ سے اس ایک روایت کے علاوہ اور کوئی روایت بیان نہیں کی۔ (بزاز)

اسی حدیث کو قاسم بن ثابت سرقسطی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

" علقمہ بن قیس کہتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمارے ساتھ ابوہریرہ رضؓ بھی تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے ابوہریرہ رضؓ سے مخاطب ہوکر کہتے ہوئے کہا " ابوہریرہ! تم ہی ہو جو حضورؐ سے یہ حدیث روایت کرتے ہو کہ ایک عورت کو

ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ وہ اسے باندھ کر رکھتی تھی۔ نہ اُسے خود کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ خود کہیں جاکر خوراک کی تلاش کرے۔ اسی طرح وہ بھوک اور پیاس کی حالت میں مرگئی۔ ابوہریرہؓ نے جواب دیا۔ میں نے حضورؐ سے اسی طرح سنا ہے۔" حضرت عائشہؓ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن کا درجہ اس سے بلند ہے کہ وہ اسے ایک بلی کی وجہ سے عذاب دے۔ وہ عورت اس کے ساتھ کافرہ بھی تھی۔ اے ابوہریرہؓ! جب تم حضورؐ کی کوئی حدیث بیان کرنے لگو تو دیکھ لیا کرو کہ کیا کہتے ہو۔"

بخاری اور مسلم نے عروہ کے حوالے سے حضرت عائشہ رضؓ کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی ازواج نے حضورؐ کی میراث کے سلسلے میں عثمان بن عفان کو سفیر بناکر ابوبکر کے پاس بھیجنا چاہا تھا۔ اس پر میں نے ان سے کہا "کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہمارے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا۔ ہم اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑیں گے وہ صدقہ ہوگا۔

ابوعروبہ الحسین بن محمد الحرانی اور ابومنصور بغدادی، کلبی سے روایت کرتے ہیں۔ "ایک مرتبہ ابوہریرہ رضؓ نے بیان کیا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ قے اور خون سے بھر جائے تو وہ اس امر سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھرا ہوا ہو۔ حضرت عائشہ رضؓ کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا "ابوہریرہ رضؓ کو پوری حدیث یاد نہیں رہی حضورؐ نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ کسی شخص کا پیٹ قے اور خون سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ ان اشعار سے بھرا ہوا ہو جو میری ہجو میں کہے گئے ہوں۔"

عروہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت عائشہ رضؓ سے بیان کیا کہ ابوہریرہ رضؓ حضورؐ کی جانب یہ حدیث منسوب کرتے ہیں کہ اگر مجھے خدا کی طرف سے ایک کوڑا بھی ملے تو مجھ کو کسی ناجائز بچے کے آزاد کرنے کے مقابلے میں پسند ہے اور یہ لدالزنا تینوں میں (ماں،

باپ اور بچہ) بدتر ہے ۔ اور میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دیا جلئے گا" حضرت عائشہ رض نے یہ سن کر فرمایا " اللہ تعالےٰ ابوہریرہؓ پر رحم کرے انہوں نے اچھی طرح سنا نہیں تو اچھی طرح بیان بھی نہیں کیا ۔ واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت اتری فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ فک رقبۃ ۔ (وہ گھاٹی میں نہیں گھسا ۔ اور تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ گھاٹی کیا ہے کسی غلام کو آزاد کرنا) توصحابہ نے عرض کیا ہم غریب لوگ ہیں ہمارے پاس آزاد کرنے کے لئے لونڈی غلام کہاں ؟ کسی کسی کے پاس سیاہ جشن ہوتی ہے جو گھر کا کام کاج کر دیتی ہے ۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو انہیں پیشہ کرنے کی اجازت دے دیں ۔ ان سے جو اولاد پیدا ہو اسے ہم احکامِ الٰہی کی متابعت میں آزاد کر دیں ۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا " اگر مجھے راہِ خدا میں صرف ایک کوڑا دیا جائے تو وہ مجھ کو اس بات سے بدرجہا زیادہ پسند ہے کہ میں زنا کی اجازت دے دوں اور اس طرح جو بچہ پیدا ہو وہ آزاد کیا جائے "

ابوہریرہ رض نے یہ جو کہا کہ والد الزنا تین بُری چیزوں میں سے ایک ہے تو واقعہ اس طرح نہیں ہوا جس طرح ابوہریرہ رض نے بیان کیا ۔ اصل بات یہ ہے کہ مدینہ میں ایک منافق تھا جو حضورؐ کو طرح طرح کی ایذائیں دیا کرتا تھا ۔ ایک مرتبہ آپؐ نے اس کا ذکر فرمایا تو کسی نے کہا کہ حضورؐ ان تینوں باتوں کے علاوہ وہ والد الزنا بھی ہے ۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا " وہ تینوں میں بدتر ہے یعنی اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ بُرا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے : ولا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ (کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۔)

ابوہریرہ رض نے تیسری حدیث یہ بیان کی ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دیا جائے گا تو یہ حدیث بھی اس طرح نہیں ہے ۔ بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ حضورؐ ایک یہودی کے گھر کے پاس سے گزرے ۔ وہ مر گیا تھا ۔ اس کے گھر

والے واویلا کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ " یہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں اور قبر میں اسے عذاب دیا جارہا ہے۔ کسی کے رونے پر کسی دوسرے کو عذاب کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اللہ خود فرماتا ہے: لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔ (اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔)

بخاریؒ نے ابن عمرؓ کی یہ روایت اپنی صحیح میں درج کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:
"بلال رات کو اذان دے دیتے ہیں اس لئے روزہ رکھنے والے لوگ ان کی اذان پر بدستور سحری کھاتے رہیں، البتہ جب ابن ام مکتوم اذان دیں اس وقت کھانا پینا موقوف کر دیا جائے۔"

لیکن بیہقی عروہ کے حوالے سے اس کے برعکس روایت درج کرتے ہیں اور وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا: ابن ام مکتوم نابینا ہیں اس لئے جب وہ اذان دیں تو بدستور سحری کھاتے رہا کرو۔ لیکن بلال اس وقت تک اذان نہیں دیتے جب تک خود اپنی آنکھوں سے پو پھٹتے نہیں دیکھ لیتے۔ اس لئے جب بلالؓ اذان دیں اس وقت کھانا پینا موقوف کیا کرو۔"

اسی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا۔ ابن عمرؓ غلط کہتے ہیں۔ ابوداؤد کے علاوہ صحاح کی باقی پانچ کتب میں حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت مذکور ہے کہ حضورؐ کے پاس دست کا گوشت لایا گیا اور حضورؐ نے اسے مزے سے کھایا۔"

اس حدیث کی توضیح کرتے ہوئے امام ترمذی حضرت عائشہ رضؓ کی ایک روایت بیان کرتے ہیں جس میں وہ کہتی ہیں:
" دست کا گوشت حضورؐ کو بہت زیادہ پسند نہ تھا بلکہ چونکہ ان دنوں گوشت بہت کم میسر آتا تھا اور دست کا گوشت جلد گل جاتا تھا اس لئے آپ اسی کو کھاتے تھے۔"

ترمذی میں ابو رزین سے مروی ہے کہ ابو ہریرہ ہمارے پاس آئے اپنا ہاتھ پیشانی پر مارا اور کہا:

"تم میں سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میں حضورؐ کی احادیث درست بیان نہیں کرتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ اگر کسی شخص کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو جب تک وہ اسے درست نہ کرلے ایک جوتے میں نہ چلے پھرے۔"

جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ابو ہریرہؓ کی بیان کردہ حدیث کی تغلیط کے لئے ایک موزہ پہن کر چلنا شروع کر دیا۔

منظور شدہ محکمہ تعلیم ——— بمطابق فہرست نمبر ۱ سنہ ۱۹۶۵ء

عباس محمود العقاد

مولانا جلال الدین سیوطیؒ